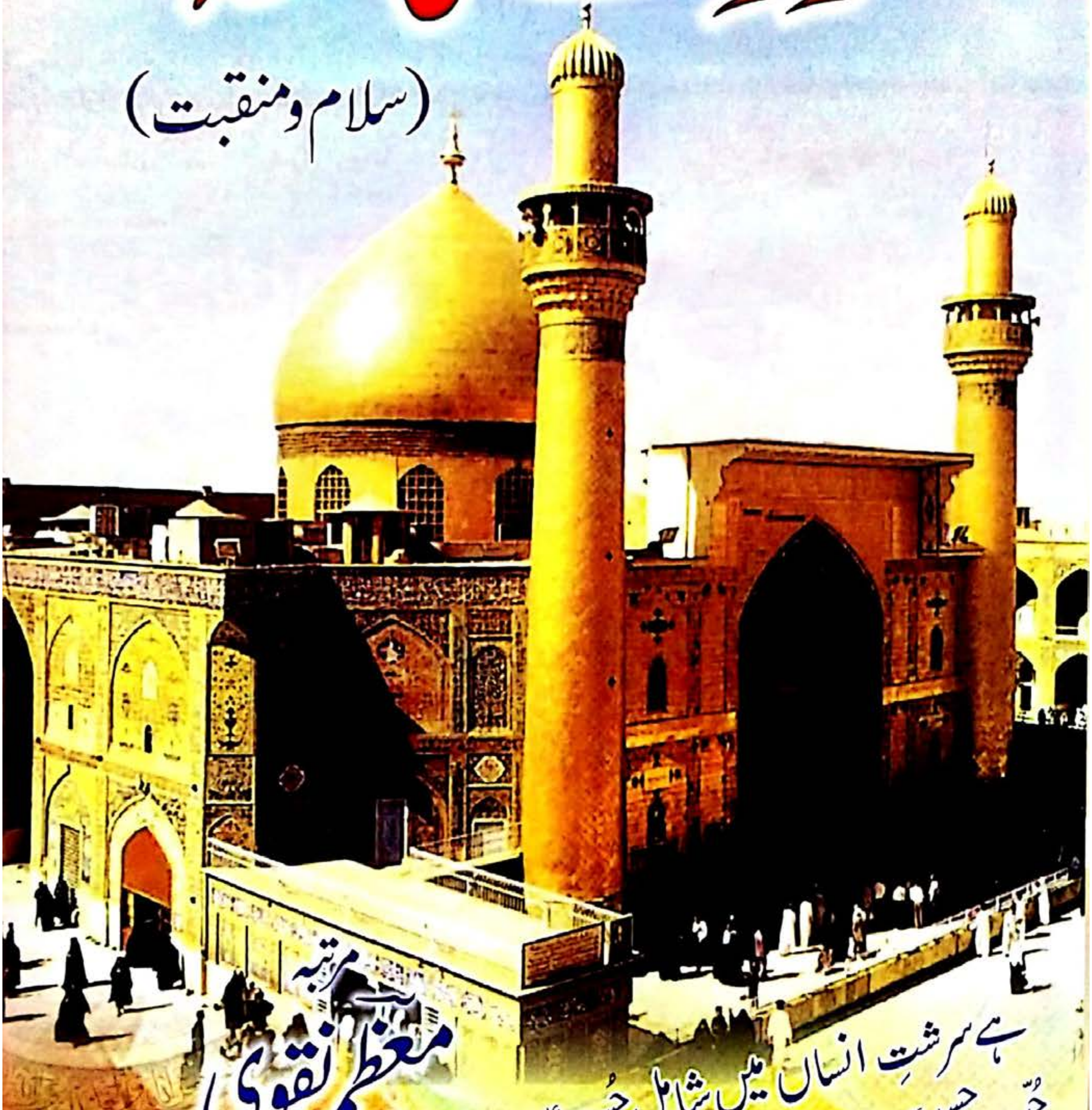
مودّت نامہ

(سلام و منقبت)



مرتبہ

معظمہ نقوی

ہے سرشتِ انساں میں شامل حسینیتؑ
حبِ حسینؑ محتاجِ اعتقاد بالکل نہیں

معروف شاعرہ ادیبہ، کالم نویس، افسانہ نویس، اور محقق معترمہ معظمہؔ نقوی صاحبہ کا تعلق سادات گھرانے سے ہے اور علم سادات عظام کی میراث ہے معظمہؔ نقوی ایک باہمت خاتون ہیں اور ادب کے فروغ کیلئے ہمہ تن کوشاں ہیں، اور قابلِ ستائش بات تو یہ ہے کہ مرکز سے دور رہ کر مضافات میں علم او ادب کی قندیل روشن کیے ہوئے ہیں، معظمہؔ نقوی کا تعلق براہ راست کربلا کے سکول آف تھاٹ سے ہے اور یہی تعلق خاص (یعنی کرب و بلا والے سادات سے محبت وعقیدت) ان کے زیرِ نظر مجموعہ، انتخاب سلام ومنقبت ''مودت نامہ'' کی وجہ تعلق ٹھہرا، اس سے قبل نقوی صاحبہ ایک شعری انتخاب ''کفِ دست'' اہلِ سخن کی نذر کر کے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ معظمہؔ نقوی ایک منجھی ہوئی قلم کار ہیں جو ادبی تخلیقات میں مقدار کی بجائے معیار کی قائل دکھائی دیتی ہیں۔ وہ بسیار نویس نہیں ہیں بلکہ وسیع المطالعہ ہیں اور مطالعہ کی کثرت ان کی تحریروں میں نمایاں نظر آتی ہے۔

معظمہؔ نقوی نے ''مودّت نامہ'' کی صورت کہنہ مشق اور دور حاظر کے مستند شعرائے کرام کے سلام و منقبت کا گلدستہ سجا کر اہلِ قلب ونظر کے سامنے رکھ دیا ہے جس کے ایک ایک پھول سے ولائے محمد ﷺ و آل محمد (علیہم السلام) کی خوشبو مشام جاں کو معطر کر رہی ہے۔ ان کا یہ انتخاب کربلائی شاعری میں اِک گرانقدر اضافہ ہے جو ان کے لیے دُنیا و آخرت میں کامیابی کی نوید ہے۔ خلاق عالم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔۔۔۔ آمین

خانم زاہدہ بخاری

ڈائریکٹر خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران (ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مودّت نامہ

انتخاب سلام



مرتبہ

معظمہ نقوی

M.ARSLAN PUBLISHERS
ایم۔ارسلان پبلیشرز
ایم۔ارسلان پبلیشرز ملتان فیصل آباد لاہور
0306-5109344

کتابیں ہماری
سستی اور معیاری

M ARSLAN PUBLISHERS
ایم ارسلان پبلیشرز

تزئین و اہتمام

راحت امیر خان تری خیلوی
0306-5109344
0333-4504891

نام کتاب: ________ مؤدت نامہ (انتخاب سلام)
مرتبہ : ________ معظّمہ نقوی
ٹائیٹل: ________ فائن آرٹ ملتان
ناشر: ___ ایم۔ ارسلان پبلیشرز ملتان، فیصل آباد، لاہور
کمپوزنگ: ________ اعظم سہیل ہارون
بار: ____________ اول
سن اشاعت: ________ 2021ء
تعداد: ________ ایک ہزار
قیمت: ________ 500 روپے

زیرِ اہتمام

ادبی تنظیم بزمِ شمسی پاکستان (رجسٹرڈ)
03007850809

انتساب

باب العلم شہنشاہِ نجف

اور

نہج البلاغہ کے خالق

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

کے نام

تعارف

اصل نام؛۔۔۔۔سیدہ معظمہ بتول

قلمی نام؛۔۔۔۔معظمہ نقوی

تاریخ پیدائش؛۔۔۔12 جولائی

تعلیم؛۔۔۔۔۔۔۔۔ایم اے اردو

ڈپلومہ جات؛ ڈپلومہ فار کمپیوٹر سائنس، ڈپلومہ فار لائبریرین شپ

شناخت؛

کالم نگار، تبصرہ نگار، تحقیقی مضامین نویس، کمپیئر، افسانہ نگار، شاعرہ،

آغاز شاعری؛ 1999ء

تخلیقی سفر؛ کفِ دست (شعری مجموعہ)، مودت نامہ (سلام و مرثیہ) میر انیس سے معظمہ نقوی تک (انتخاب)

زیرِ طبع کتب؛ سرائیکی شاعری (مجموعہ کلام) منظوم اردو مجموعہ کلام افسانوی مجموعہ کلام، کالمز و تبصرہ جات (نثری مجموعہ)

ایوارڈز؛

شریف اکیڈمی (جرمنی) ایوارڈ۔ نیشنل و انٹرنیشنل ادبی تنظیموں کی جانب سے ادبی خدمات کے اعتراف میں تعریفی اسناد و ایوارڈز سے نوازہ جا چکا ہے

ای میل

moazmanaqvi5@gmail.com

فہرست

یہ اس کی دَین ہے جسے پروردگار دے

گھر کے لٹنے کے یہ حالات بتا سکتے ہیں
غم کسے کہتے ہیں سادات بتا سکتے ہیں

میانوالی کے مشہور شاعر شاکر خان نیازی کے اس شعر سے معظمہ نقوی کے مرتب کردہ ''مودت نامہ'' کے حوالے سے اپنی اس تحریر کا آغاز کروں گا۔ معظمہ نقوی کا تعلق اہلِ مودت کی سرزمین ڈیرہ غازی خان سے ہے۔ یہ وہ دھرتی ہے جس نے دنیائے سخن کو محسن نقوی جیسے بے مثال و بے بدل شاعر عطا کئے۔ یہ وہ خطہ حیرت ہے جس نے مضافاتی مفروضے کو رد کر دیا۔ معظمہ نقوی صاحبہ واقعی اسمِ بامسمٰی معظمہ ہیں کہ انہیں ''مودت نامہ'' مرتب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ یہ تو وہ فہرست ہے جس میں شامل ہونے والے بھی خوش نصیب اور سعادت مند ہوتے ہیں اور جنہیں ایسے سلسلے کو مرتب کرنے اور اسے گلدستہ کی صورت پیش کرنے کی توفیق ہو وہ تو یقیناً مقدر کے سکندر ہوتے ہیں۔ معظمہ نقوی کی قل کاری کا میدان نثر ہے اور تحقیق و تاریخ کا رجحان بھی ان میں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کٹھن اور دشوار گزار راستے کا انتخاب کیا ہے، انتخاب مرتب کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے لیکن یہ ان کی

ہمت ہے، کوشش ہے اور شوق ہے جس کے باعث یہ منزل کو پا چکی ہیں۔ اس انتخاب میں خوبصورت لکھاریوں کی ایک مالا ہے، کہکشاں ہے ہر سلام گو کے کلام سے عقیدت ،محبت اور مؤدت جھلکتی چھلکتی ہے۔ میر انیس سے مبارک شمسی اور مبارک شمسی سے معظّمہ نقوی تک ''ہر گلے را رنگ و بو دیگر است''۔

اتنے منظور و مقبول شعراء کے کلام کا ایک جگہ اس احسن انتظام و ترتیب سے پیش کرنا بلاشبہ معظّمہ نقوی کا ایک یادگار اور لازوال کارنامہ ہے جو رثائی اور کربلائی ادب کا ایک معتبر حوالہ بن گیا ہے۔ جدیدیت کے اس دَور میں جہاں سوشل میڈیا کا دَور دورہ ہے کتب بینی کا رجحان ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور ہارڈ کاپی کی جگہ سوفٹ کاپی نے کے لی ہے وہاں ''مؤدت نامہ'' کی صورت سلام کا خوبصورت انتخاب شائع کر کے انہوں نے اپنے حصے کی شمع روشن کی ہے، اس انتخاب کا دائرہ کار بہت وسیع ہے جس میں انہوں نے برصغیر (پاک و ہند) کے نمائندہ سلام و منقبت اور نوحہ و مرثیہ گو شعراء کو شامل کر کے نہ صرف ایک خوبصورت گلدستہ پیش کیا ہے بلکہ رثائی اور کربلائی ادب کی تاحال تاریخ رقم کر دی ہے، اور بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ اس سلسلے کی کڑی ہے جس کا نقطہ آغاز کربلائے معلٰی سے ہوتا ہے اور مرثیہ کی تاریخ عربی سے فارسی اور فارسی سے برصغیر (پاک و ہند) کی اردو زبان تک جو ایک کڑی ہے اس کو ملا کے انہوں نے ایک شاہکار ادبی کارنامہ سرانجام دیا ہے، بہرکیف ''ہمت کرے انساں تو کیا ہو نہیں سکتا''۔

معظّمہ نقوی نے اس روایت جو تذکرہ نگاری اور شعری انتخابات کی صورت از سرِ نو زندہ کر دیا ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے اور اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ایک ساتھ بہت سے لوگوں کی عقیدتوں، سلام اور محبتوں کو پیش کرنے کا موقع ملتا ہے جس سے سیرتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وآلِ محمد (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) منظوم انداز میں شعور سے لاشعور سے ہوتی ہوئی تحت الشعور تک جا پہنچتی ہے اور پھر ایسے میں ان کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق بھی ملتی ہے اور دنیا وآخرت میں نجات بھی۔ بقول شاعر:

قسمت سے ہی ملتی ہے یہ توفیق کسی کو

ہر ایک کو یہ کام سدھایا نہیں جاتا

آخر میں بس اتنا کہوں گا کہ معظمہ نقوی کا انتخاب ''مودت نامہ'' اسلامی اور خصوص بالخصوص کربلائی شاعری میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ جس پر میں ان کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خالقِ لوح وقلم (جل شانہ) معظمہ نقوی کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔۔ (آمین)

پروفیسر عاصم بخاری

(میانوالی)

میر انیسؔ سے معظّمہ نقوی تک

عبادت ہر مکتبِ فکر میں اس خاص ہستی کے لیے مختص ہے جو ہر شے پر قادر ہے اُسی بزرگ و برتر نے اپنی پہچان کے لیے کائنات میں اپنے برگزیدہ نائب خلق فرمائے جو بعد از خداوند متعال لائقِ تسبیح و درود ہیں جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں جن کی مدحت میں رب نے اپنا صحیفہ اتار!۔ نبوت ہو کہ رسالت و امامت، تمام نگینے اس نے ایک انگشتری میں جڑ دیئے جنھوں نے دعوتِ ذوالعشیرہ سے لے کر عصرِ عاشور تک اور شامِ غریباں سے لے کر قیامت تک حقانیت کو سربلند کر کے اپنا سب کچھ لُٹا دیا۔ اُن پاک ہستیوں کے عشق میں اپنے قرطاس و قلم کو لہو روتی آنکھوں کے سمندر میں ڈبو کر یہ حقیرانہ عجز بیاں کرنے کی سعی کر رہی ہوں۔

دعا گو ہوں مولائے کُل ایماں امیرِ کائناتؑ اپنی بارگاہِ اقدس میں ''مؤدت نامہ'' کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں۔۔۔(آمین)

احقر

معظّمہ نقوی

میر ببر علی انیسؔ

۱۸۰۳ء۔۔۔۱۸۷۴ء

غبارِ رہِ کربلا ہو گئی
مری خاک بھی کیمیا ہو گئی

الٰہی مجھی میں نہ تھی کچھ وفا
کہ دنیا ہی سب بے وفا ہو گئی

بہت ڈر سمندر کی لہروں سے تھا
طبیعت مگر آشنا ہو گئی

صبا لے کے آئی جو بوئے نجف
گرہ غنچہءِ دل کی وا ہو گئی

انیسؔ آ چکے تھے تہہ تیغِ مرگ
سپَر مومنوں کی دعا ہو گئی

آغا شاعر دہلوی

۱۸۷۱ء۔۔۔۱۹۴۰ء

ہے کون چشمِ ناز میں آنسو لیے ہوئے
ہرنی دواں ہے بچہ آہو لیے ہوئے

والفجر عکسِ اکبر مہ رو لیے ہوئے
واللیل ہے شباہت گیسو لیے ہوئے

غل ہے علیؑ کی تیغ بھی میزانِ عدل ہے
دو کر رہی ہے صاف ترازو لیے ہوئے

حُر کا نصیب دیکھئے اللہ رے نصیب!
کیا جرم ہے نجات کا پہلو لیے ہوئے

عباسؑ جب چلے تو کہا شہہ نے الغیاث!
جاتا ہے زور، قوتِ بازو لیے ہوئے

تکتے ہیں آسمان و زمیں کو کھڑے حسینؑ
اک خون بے گناہ کا چلّو لیے ہوئے

آلِ رضا

۱۹۷۸ء۔۔۔۔۱۸۵۶ء

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پُرسہ تمہارے پیاروں کا
سلام ان پر جنہیں شرم کھائے جاتی ہے
کُھلے سروں پہ اسیری کی خاک آتی ہے
سلام اس پر جو رحمت کشِ سلاسل ہے
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہے
سلام بھیجتے ہیں اپنی شاہ زادی پر!
کہ جس کو سونپ گئے مرتے وقت گھر سرورؑ
مسافرت نے جسے بے بسی یہ دکھلائی
نثار کر دیئے بچّے ، نہ بچ سکا بھائی
اسیر ہو کے جسے شامیوں کے نرغے میں
حسینیتؑ ہے سکھانا علیؑ کے لہجے میں
سکینہؑ بی بی تمہارے غلام حاضر ہیں
بجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں
یہ سن ، یہ حشر ، یہ صدمے نئے نئے بی بیؑ !
کہاں پہ بیٹھی ہو ، خیمے تو جل گئے بی بیؑ !

پہاڑ رات ، بڑی دیر ہے سویرے میں
کہاں ہو شامِ غریباں کے گھپ اندھیرے میں
زمین گرم یتیمی کی سختیاں بی بیؑ!
وہ سینہ جس پہ سوتی تھیں ، اب کہاں بی بیؑ!
جنابِ مادرِ بے شیر کو بھی سب کا سلام
عجیب وقت ہے کیا دیں تسلیوں کا پیام
ابھی کلیجے میں اِک آگ سی لگی ہو گی
ابھی تو گود کی گرمی نہ کم ہوئی ہو گی
نہیں اندھیرے میں کچھ سُوجھتا کہاں ڈھونڈیں
تمہارا چاند کہاں چُھپ گیا ، کہاں ڈھونڈیں
نہ اِس طرح کوئی کھیتی ہری بھری اجڑی
نہیں لعینوں میں انساں کوئی خدا حافظ
درندے ! اور یہ بے وارثی ! خدا حافظ
شریک حق درود و سلام پیغمبرؐ
سلام سیدِ لولاکؐ کے بھرے گھر پر
سلام محسنِ اسلام خستہ تن لاشو!
سلام تجھ پہ رسولؐ و بتولؑ کے پیارو!
سلام مہر شہادت کے گرد سیارو
بچے تو اگلے برس ہم ہیں اور غم پھر ہے
جو چل بسے تو یہ اپنا سلامِ آخر ہے

احمد فرازؔ

۱۹۳۱ء ـــــ ۲۰۰۸ء

سلام اُس پر

حسینؑ!
اے میرے سر بُریدہ
بدن دُریدہ، سدا ترا نام برگزیدہ
میں کربلا کے لہولہو دشت میں تجھے
دشمنوں کے نرغے میں
تیغ دردست دیکھتا ہوں
میں دیکھتا ہوں کہ تیرے سارے رفیق
سب ہمنوا، سبھی جاں فروش
اپنے سروں کی فصلیں کٹا چکے
گلاب سے جسم اپنے خوں میں نہا چکے ہیں
ہوائے جانکاہ کے بگولے
چراغ سے تابناک چہرے۔ بجھا چکے ہیں
مسافرانِ رہِ وفا لُٹ لُٹا چکے ہیں
اور اب فقط تو!
زمین کے اس شفق کدے میں
ستارۂ صبح کی طرح

روشنی کا پرچم لیے کھڑا ہے
یہ ایک منظر نہیں ہے
اک داستاں کا حصہ نہیں ہے
اک واقعہ نہیں ہے
یہیں سے تاریخ
اپنے تازہ سفر کا آغاز کر رہی ہے
یہیں سے انسانیت
نئی رفعتوں کو پرواز کر رہی ہے
میں آج اسی کربلا میں
بے آبرو نگوں سر
شکست خوردہ خجل کھڑا ہوں
جہاں سے میرا عظیم ہادی
حسینؑ کل سرخرو گیا ہے
میں جاں بچا کر
فضا کے دلدل میں جاں بلب ہوں
زمین اور آسمان کے عز و فخر
ہیں سارے حرام مجھ پر
وہ جاں لٹا کر منارۂ عرش چھو گیا ہے
سلام اس پر!۔۔۔ سلام اس پر!

احمد ندیم قاسمی

۱۹۱۶ء ۔۔۔۔ ۲۰۰۶ء

لب پر شہداء کے تذکرے ہیں
لفظوں کے چراغ جل رہے ہیں

جن پہ گزری ہے ان سے پوچھو
ہم لوگ تو صرف سوچتے ہیں

میدان کا دل دہک رہا ہے
دریاؤں کے ہونٹ جل رہے ہیں

کرنیں ہیں کہ بڑھ رہے ہیں نیزے
جھونکے ہیں کہ شعلے چل رہے ہیں

پانی نہ مِلا تو آنسوؤں سے
چلو بچوں کے بھر دیئے ہیں

آثار جوان بھائیوں کے
بہنوں نے زمیں سے چُن لیے ہیں

بیٹوں کے کٹے پھٹے ہوئے جسم
ماؤں نے ردا میں بھر لیے ہیں

یہ لوگ اصولِ حق کی خاطر
سر دیتے ہیں ، جاں بیچتے ہیں

میدان سے آ رہی ہے آواز
جیسے شبیرؑ بولتے ہیں

جیسے غنچے چٹک رہے ہیں
جیسے کہسار گونجتے ہیں

''ہم نے جنہیں سربلندیاں دیں''
سر کاٹتے کیسے لگ رہے ہیں

ہیں یہ رگِ نبی کے قطرے
جو ریت میں جذب ہو رہے ہیں

دیکھو اے ساکنانِ عالم
یوں کشتِ حیات سینچتے ہیں

اختر حسین جعفری

۱۹۹۲ء۔۔۔۱۹۳۲ء

امتناع کا مہینہ

اس مہینے میں غارت گری منع تھی
پیڑ کٹتے نہ تھے تیر بکتے نہ تھے
بہرِ پرواز محفوظ تھے آسماں
بے خطر تھی زمیں مستقر کے لیے
اس مہینے میں غارت گری منع تھی یہ پرانے صحیفوں میں مذکور ہے
قاتلوں، رہزنوں میں یہ دستور تھا اس مہینے کی حُرمت کے اعزاز میں
دوش پر گردن خم سلامت رہے
کربلاؤں میں اترے ہوئے کاروانوں کی مشکوں کا پانی امانت رہے
میری تقویم میں بھی مہینہ ہے یہ
اس مہینے کئی تشنہ لب ساعتیں، بے گناہی کے کتبے اٹھائے ہوئے
روز و شب بین کرتی ہیں دہلیز پر اور زنجیرِ در مجھ سے کھلتی نہیں
فرش ہموار پر پاؤں چلتا نہیں
دل دھڑکتا نہیں
اس مہینے میں گھر سے نکلتا نہیں

اسد اللہ خاں غالب

۱۷۹۷ء۔۔۔۔۱۸۶۹ء

سلام اسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو
نا بادشاہ ، نہ سلطاں یہ کیا ستائش ہے
کہو کہ خامسِ آلِ عبا کہیں اس کو
خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اس کو
خدا کا بندہ خداوند دگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوندکیا کہیں اس کو
فروغ جوہر ایماں حسینؑ ابنِ علیؑ
کہ شمعِ انجمن کبریا کہیں اس کو
کفیل بخشش امت ہے بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافع روزِ جزا کہیں اس کو
مسیح جس سے کرے اخذ فیض جاں بخشی
ستم ہے کشتہ تیغِ جفا کہیں اس کو

وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل
شہید تشنہ لب کربلا کہیں اس کو

عدو کے سمع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جن وانس و ملک سب بجا کہیں اس کو

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسینؑ بلند
بقدر فہم ہے گر کیمیا کہیں اس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرۂ خاک
کہ لوگ جوہر تیغِ قضاء کہیں اس کو

ہمارے درد کی یا رب کہیں دوا نہ ملے
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اس کے صبر کی داد
مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اس کو

زمانہ ناقہ کف اس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پسِ از حسینؑ علیؑ پیشوا کہیں اس کو

وہ ریگ تفتہ وادی پہ گام فرسا ہے
کہ طالبان خدا رہنما کہیں اس کو

امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد
پیادہ لے چلیں اور نا سزا کہیں اس کو

یہ اجتہاد عجب ہے کہ اِک دشمنِ دیں
علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو

یزید کو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
بُرا نہ مانیے گر ہم بُرا کہیں اس کو

علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
کرے جو ان سے برائی بھلا کہیں اس کو

نبی کا ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے
رکھے امام سے جو بغض کیا کہیں اس کو

بھرا ہے غالبؔ دل خستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اس کو

اسدؔ رضوی

۱۹۸۵ء----

میں خوش نصیب ہوں مجھ پر کرم حسینؑ کا ہے
عطا کیا ہُوا سارا بھرم حسینؑ کا ہے

میں معتبر ہوں جہاں میں حسینؑ کے صدقے
قسم علیؑ کی مرے دم میں دم حسینؑ کا ہے

یزیدیت کو ہوئے سرنگوں زمانہ ہُوا
بلند آج بھی لیکن علم حسینؑ کا ہے

فلک کی آنکھوں سے گرتے ہیں آج بھی آنسو
فلک کے آج بھی سینے میں غم حسینؑ کا ہے

خدا نے دی ہے انہیں جنتوں کی سرداری
خدا بھی دیکھ اسدؔ ہمقدم حسینؑ کا ہے

اقبال ساجد

۱۹۸۸ء۔۔۔۱۹۳۲ء

حسینؑ تیرے لیے خواہشوں نے خوں رویا
فضائے شہرِ تمنا بہت اداس ہوئی
غبارِ ظلم پہ رنگ شفق بھڑک اٹھا
زمیں پہ آگ بگولا گلوں کی باس ہوئی
غموں کو کاشت کیا آنسوؤں کے موسم میں
یہ فصل اب کے بہت دل کے آس پاس ہوئی
وہ پیاس جس کو سمندر سلام کرتے ہیں
ہوئی تو تیرے لبوں سے ہی روشناس ہوئی
جو تُو نے خون سے لکھی حسینؑ وہ تحریر
کتابِ حق و صداقت کا اقتباس ہوئی
کبھی بجھا نہ سکے گی ترے چراغ کی لو
کہ جمع تیری امانت ہوا کے پاس ہوئی
دکھوں میں ڈوب گئی دشتِ کربلا کی سحر
ہوائے شام ترے غم میں بدحواس ہوئی

امجد اسلام امجد

۱۹۴۴ء۔۔۔

میں نوحہ گر ہوں

میں اپنے چاروں طرف بکھرتے ہوئے زمانوں کا نوحہ گر ہوں
میں آنے والی رُتوں کے دامن میں عورتوں کی اداس باہوں کو دیکھتا ہوں
اوران کے بچوں کی تیز چیخوں کو سُن رہا ہوں
اوران کے مردوں کی سرد لاشوں کو گِن رہا ہوں
میں اپنے ہاتھوں کے فاصلے پر فصیلِ دہشت کو چھو رہا ہوں
زمیں کے گولے پہ زرد کالے تمام نقطے لہو کی سُرخی میں جل رہے ہیں
نئی زمینوں کے خواب لے کر
مسافرانِ تباہ یادوں کے ریگ زاروں میں چل رہے ہیں
میں نوحہ گر ہوں مسافروں کا جو اپنے رستے سے بے خبر ہیں
میں ہوش والوں کی بدحواسی کا نوحہ گر ہوں
حسینؑ! میں اپنے ساتھیوں کی سیہ لباسی کا نوحہ گر ہوں
ہمارے آگے بھی کربلا ہے، ہمارے پیچھے بھی کربلا ہے
حسینؑ! میں اپنے کاروان کی جہت شناسی کا نوحہ گر ہوں
نئے یزیدوں کو فاش کرنا ہے کام میرا
ترے سفر کی جراحتوں سے، ملا ہے مجھ کو مقام میرا
حسینؑ تجھ کو سلام میرا!!!!

امیر مینائی

۱۹۰۰ء۔۔۔۔۱۸۲۹ء

جو کربلا میں شاہِ شہیداں سے پھر گئے
کعبہ سے منحرف ہوئے قرآں سے پھر گئے

نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کی دغا
گویا یہود موسیٰؑ عمراںؑ سے پھر گئے

امت کے سرکشوں نے نہ کی نوحؑ سے وفا
کیا رو سیاہ دیو، سلیماںؑ سے پھر گئے

کافر ہوئے کہ کعبہ دیں کو کیا خراب
مرتد ہوئے کہ قبلۂ ایماں سے پھر گئے

مطلق کیا نہ پاس خدا اور رسولؐ کا
کیسے فریب بازی شیطاں سے پھر گئے

آئے مدد کو واسطے جن و ملک مگر
انکار بادشاہ غریباں سے پھر گئے

دیندار تھے جو لوگ وہ شہ پر فدا ہوئے
بے دیں جو تھے وہ دین مسلماں سے پھر گئے

ثابت قدم جو تھے وہ رہے کربلا میں ساتھ
مست اعتقاد مستیٔ ایماں سے پھر گئے

اصحاب گو قلیل مخالف کثیر تھے
منہ سب کے لشکر شہ ذیشاں سے پھر گئے

ٹھہرے مقابلے نہ اہلِ مباہلہ
یہ عہد کیسے قول سے پیماں سے پھر گئے

ٹلتی ہے خاک پاک سے آئی ہوئی بلا
اکثر نکل کے شیر نستاں سے پھر گئے

آسودہ دل ہوا نہ زیارت سے اے امیرؔ
سو بار آئے شوقِ فراواں سے پھر گئے

اکبر خان نیازی

۱۹۸۶ء----

سلامی اشک بہاتا چلوں بہ حالِ حسینؑ
کہ میرے سامنے ہے جادۂ ملالِ حسینؑ

وہ کوہِ عزم و بقاء استقامتِ کردار
زمانہ دے نہ سکا آج تک مثالِ حسینؑ

ہزار حیف کہ ہے تشنہ جواب اب تک
فضائے دہر میں گونجتا ہوا سوالِ حسینؑ

اڑیں جو خون کی چھینٹیں تو عرش تک پہنچیں
پڑا ہے خلد پہ بھی سایۂ جمالِ حسینؑ

ہزار بار ملے زندگی تو اے اکبر
فدائے جدِ حسینؑ و نثار آلِ حسینؑ

افتخار عارف

۱۹۴۴ء۔۔۔۔

صدائے استغاثہ

ھَل مِن نَاصِرٍ ینصُرنا
ھَل مِن نَاصِرٍ ینصُرنا
کیا کوئی ہے جو میری مدد کو پہنچے گا
کیا کوئی ہے جو میری مدد کو پہنچے گا
صدیوں پہلے دشتِ بلا میں اِک آواز
سنائی دی تھی
جب میں بہت چھوٹا ہوتا تھا مری امی کہتی تھی
یہ جو صفِ عزا بچھتی ہے اسی صدا کی
بازگشت ہے
اسی صدا پر بستی بستی گریہ وزاری ہے
سامان کیا جاتا ہے

اور تجدیدِ بیعتِ نصرت کا اعلان کیا جاتا ہے
تب میں پہروں بیٹھ کے پیارے پیارے
اچھے اچھے لوگوں کی باتیں سنتا تھا
سچے سچے لوگوں کی باتیں پڑھتا تھا
اور پہروں روتا تھا
اور اب برسوں بیت گئے ہیں
جن آنکھوں میں آنسو تھے
اب ان آنکھوں میں حیرت ہے
سچائی کی گواہی دینے والے آخر ظالم کو
ظالم کہنے سے ڈرتے کیوں ہیں؟
موت سے پہلے مرتے کیوں ہیں؟

بیدم شاہ وارثی

۱۹۳۶ء۔۔۔۔۱۸۷۶ء

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنساءؑ، حسینؑ و حسنؑ، مصطفیٰؐ، علیؑ

بہادر شاہ ظفرؔ

۱۷۷۵ء۔۔۔۱۸۶۲ء

باندھا کمر کو شہہ نے شہادت کے واسطے
اے جوئی شفاعتِ امت کے واسطے

سر کاٹا اس جنابِ ہدایت مآب کا
بلوا کے گمراہوں نے ہدایت کے واسطے

کھانا اگر ہے زخم تو پانی ہے آبِ تیغ
مہمانِ کربلا کی ضیافت کے واسطے

زین العبادہ آبروئے دو جہان ہے
درِ یتیم بحرِ امامت کے واسطے

جاتا ہے ہائے دھوپ میں پیاسا برہنہ پا
کوئی نہیں ہے جائے اقامت کے واسطے

کرتے تھے آب خنجر و شمشیر سے وضو
شبیرؑ قتل گہہ میں عبادت کے واسطے

روحِ نبی اور روحِ علیؑ ، روحِ فاطمہؑ
تھی گرد لاش شہ کی حفاظت کے واسطے

شبیرؑ نے یہ عرض کی حُر نے کہ یا امامؑ
آیا ہے یہ غلام بھی خدمت کے واسطے

گر حکم ہو تو پہلے ہوں میں آپؑ پر فدا
حاضر ہے جان تک مری حضرت کے واسطے

کھو بیٹھے اپنی دولت و ایمان و دیں لعیں
دنیا میں چند روز کی ثروت کے واسطے

اے دل غمِ حسینؑ میں شورابۂ سرشک
شربت ہے تشنگیٔ قیامت کے واسطے

رکھو ظفرؔ یہ لطف و عنایت کی تم نظر
شاہا جناب شاہِ ولایت کے واسطے

بےخود موہانی

۱۹۴۰ء----

جوہر ترے جہاں پہ کُھلے ابتلا کے بعد
تھا تجھ کو انتظارِ بلا ہر بلا کے بعد
کہتی تھی ذوالفقار تری ہر وغا کے بعد
تُو نے کیا جہاد شہ لا فتا کے بعد
قدرت نے ہاتھ چوم لیے تیرے وجد میں
وہ جنگ کی غمِ پسرِ دل ربا کے بعد
گونجے گی تا بحشر جہاں میں صدائے حق
کوئی صدا نہ چاہیے تیری صدا کے بعد
قربانیں ہوئیں مگر ایسی نہیں ہوئیں
اس با وفا کے قبل اور اس با وفا کے بعد
اک مجھ کو کیا زمانے کو معلوم ہو گئی
صبر و رضا کی حد ترے صبر و رضا کے بعد
ایماں نے تیرے خون کے چھینٹوں سے پائی ہے
واللہ جان تازہ و باقی فنا کے بعد
زہراؑ و مجتبیٰؑ و علیؑ و رسولِ پاکؐ
سب تیرے عاشقوں میں ہیں لیکن خدا کے بعد

کہہ دے کوئی خلیلؑ و ذبیحؑ و مسیحؑ سے
لوں کس کا نام یادِ شہِ کربلا کے بعد
سو جان سے فدا تھے وہی کیوں حسینؑ پر
عقدہ کھلا یہ معرکۂ کربلا کے بعد
اک فرد پر قبائے شہادت ، خدا گواہ
ایسی کھلی نہ سرور گلگوں قبا کے بعد
ہم خاطیوں کا دل ، دل معصوم تو نہیں
کہتا ہے کربلا کی وفا و جفا کے بعد
ان بے نیازیوں کی شکایت ضرور تھی
چپ رہ گئے ملامتِ صبر و رضا کے بعد
ہوتی روا پرستش غیرِ خدا اگر
سجدے وفا حسینؑ کو کرتی خدا کے بعد
حیراں تھی خلق معنی ذبحِ عظیم میں
ٹوٹا طلسمِ قتل امامِ ہدٰا کے بعد
پردہ پڑا تھا بارِ امانت کی شرح پر
اٹھا حجاب معرکۂ کربلا کے بعد
قدرت کے دل میں آرزوئے امتحاں نہیں
صبر و ثباتِ لختِ دلِ مرتضٰی کے بعد
بیخود بنی ہے تجھ پہ یہ تسلیم ہے مگر
مدت کی آبرو نہ رہے گی دعا کے بعد

پروین شاکر

۱۹۵۲ء۔۔۔۱۹۹۴ء

شامِ غریباں

غنیم کی سرحدوں کے اندر
زمین نامہرباں پہ جنگل کے پاس ہی شام پڑ چکی ہے
ہوا میں کچھ گلاب جلنے کی کیفیت ہے
اور ان شگوفوں کی سبز خوشبو
جو اپنی نوخیزیوں کی پہلی رُتوں میں
رعنائی صلیب خزاں ہوئے
اور بہار کی جاگتی علامت ہوئے ابد تک!
جلے ہوئے راکھ خیموں سے کچھ کُھلے ہوئے سر
ردائے عفت اڑھانے والے
بُریدہ بازو کو ڈھونڈتے ہیں
بُریدہ بازو۔۔۔کہ جن کا مشکیزہ
ننھے حلقوم تک اگرچہ پہنچ نہ پایا

مگر وفا کی سبیل بن کر
فضا سے اب تک چھلک رہا ہے
برہنہ سر بیبیاں ہواؤں میں سوکھتے پتوں
کی سرسراہٹ پہ چونک اٹھتی ہیں
بادِ صرصر کے ہاتھ سے بچنے
والے پھولوں کو چومتی ہیں
چھپانے لگتی ہیں اپنے دل میں
بدلتے سفاک موسموں کی اداشناسی نے چشم
حیرت کو سہم ناکی کا مستقل رنگ دے دیا ہے
چمکتے نیزوں پہ سارے پیاروں کے کٹے ہوئے سر بچے ہیں
شکستہ خوابوں سے کیسا پیمان لے رہے ہیں
کہ خالی آنکھوں میں روشنی آتی جارہی ہے

ثروت حسین

۱۹۷۴ء۔۔۔۔

کس کی خوں رنگ قبا آتی ہے
روشنی اب کے سوا آتی ہے

ساعتِ علم و خبر سے پہلے
منزلِ کرب و بلا آتی ہے

روزِ پیکار و جدل ختم ہوا
شبِ تسلیم و رضا آتی ہے

گریہ و گرد کا ہنگام نہیں
دل دھڑکنے کی صدا آتی ہے

پھر سرِ خاک شہیداں ثروتؔ
پھول رکھنے کو ہوا آتی ہے

جلیل عالی

۱۹۵۴ء۔۔۔۔

بندگانِ ریا کی نگاہوں میں شام و سحر اور تھے
اور اہلِ صفا کے رموزِ قیام و سفر اور تھے

آبجو پاس بھی بوند پانی کو ترسے ہواؤں کے لیے
منتظر باغ جنت میں صبر و رضا کے ثمر اور تھے

نور پیشانیوں پر فروزاں تھا جو فیصلہ اور تھا
چور چہروں پہ ٹھہرے ہوئے تھے جو اندر کے ڈر اور تھے

گو رہِ عشق میں شان پہلے بھی کم تو نہ تھی آپ کی
کربلا میں مگر سرخرو تھے سوا ، معتبر اور تھے

سطحِ صحرا پہ عالی کہاں کوئی تحریر ٹھہری کبھی
لفظ لیکن لہو سے جو لکھے گئے ریت پر اور تھے

جوشؔ ملیح آبادی

۱۸۹۸ء۔۔۔۔۱۹۸۲ء

وہ حسینؑ

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسینؑ
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسینؑ
جو جواں بیٹے کی میت پہ نہ رویا وہ حسینؑ
جس نے سب کچھ کھو کے بھی کچھ نہ کھویا وہ حسینؑ
مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

نطق جس کا نغمہ سازِ پیمبر ، وہ حسینؑ
تھا جو شرح مصطفیٰؐ ، تفسیرِ حیدر وہ حسینؑ
تشنگی جس کی جواب موجِ کوثر وہ حسینؑ
لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتر وہ حسینؑ
جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسینؑ
مر گیا لیکن نہ کی فاسق کی بیعت وہ حسینؑ
ہے رسالت کی سپر جس کی امامت وہ حسینؑ
وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسینؑ اب تک گلِ افشاں ہے تری ہمت کا باغ
آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ
تیرے دل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دماغ
فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تُو آقا ہو اس کو ناز کرنا چاہیے

حسرتؔ موہانی

۱۹۵۱ء۔۔۔۔۱۹۷۵ء

امامِ برحق اہلِ رضا سلام علیک
شہید معرکہءِ کربلا سلام علیک

کلِ مراد ولایت حسینؑ ابنِ علیؑ
تتمہءِ شرفِ مصطفیٰؐ سلام علیک

ثبوت یہ ہے کہ نورِ شہادتِ کبریٰ
تری جبیں سے نمایاں ہوا سلام علیک

عبث ہے اور کہیں راہ صبر وحق کی تلاش
تری مثال ہے جب رہنما سلام علیک

ترے طفیل میں حسرتؔ بھی ہو شہیدِ وفا
یہی دُعا ہے یہی مُدعا سلام علیک

حفیظ تائبؔ

۲۰۰۴ء۔۔۔۔۱۹۳۱ء

رموزِ عشق و محبت تمام جانتا ہوں
حسینؑ ابنِ علیؑ کو امام جانتا ہوں

انہی کے در کو سمجھتا ہوں محورِ مقصود
انہی کے گھر کو میں دارالسلام جانتا ہوں

میں ان کی راہ کا ہوں ایک ذرۂ ناچیز
کہوں یہ کیسے کہ ان کا مقام جانتا ہوں

مجھے امامؑ نے سمجھائے ہیں نکاتِ حیات
سوادِ کفر میں جینا حرام جانتا ہوں

نگاہ کیوں ہے مری ظاہری وسائل پر
جو خود کو آلِ نبیؐ کا غلام جانتا ہوں

میں جان و مال کو پھر کیوں عزیز رکھتا ہوں
جو خود کو پیروِ خیرالانام جانتا ہوں

شکارِ مصلحت و یاس کیوں ہوں پھر تائبؔ
جو اس کٹے ہوئے سر کا پیام جانتا ہوں

حفیظ جالندھری

۱۹۰۰ء۔۔۔۔۱۹۸۲ء

لباس ہے پھٹا ہوا، غبار میں اٹا ہُوا
تمام جسمِ نازنیں، چھدا ہُوا اکٹا ہُوا
یہ کون ذی وقار ہے
بلا کا شہسوار ہے
یہ بالیقیں حسینؑ ہے
نبیؐ کا نورِ عین ہے
یہ جس کی ایک ضرب سے کمال فن حرب سے
کئی شقی نے ہوئے تڑپ رہے ہیں کرب سے
غضب ہے تیغہ دوسر کہ ایک ایک وار پر
اٹھی صدائے الاماں زبان شرق وغرب سے
یہ بالیقیں حسینؑ ہے
نبیؐ کا نورِ عین ہے
یہ کون حق پرست ہے مئے رضا سے مست ہے
کہ جس کے سامنے کوئی بلند ہے نہ پست ہے
ادھر ہزار گھات ہے مگر عجیب بات ہے
کہ ایک سے ہزار کا حوصلہ شکست ہے

یہ بالیقیں حسینؑ ہے
نبیؐ کا نورِ عین ہے
عبا بھی تار تار ہے تو جسم بھی فگار ہے
زمیں بھی ہے تپی ہوئی فلک بھی شعلہ بار ہے
مگر یہ مردِ تیغ زن   یہ صف شکن فلک فگن
کمالِ صبر و تندہی سے   محوِ کارزار ہے
یہ بالیقیں حسینؑ ہے
نبیؐ کا نورِ عین ہے
دلاوری میں فرد ہے بڑا ہی شیر مرد ہے
کہ جس کے دبدبے سے دشمنوں کا رنگ زرد ہے
حبیبِ مصطفیٰؐ ہے یہ   مجاہدِ خدا ہے یہ
جبھی تو اس کے سامنے   یہ فوج گرد گرد ہے
یہ بالیقیں حسینؑ ہے
نبیؐ کا نورِ عین ہے
ادھر سپاہِ شام ہے ہزار انتظام ہے
اُدھر ہیں دشمنانِ دیں اِدھر فقط امامؑ ہے
عجیب شان ہے   غضب کی آن بان ہے
کہ جس طرف اٹھی ہے تیغ   بس خدا کا نام ہے
یہ بالیقیں حسینؑ ہے   نبیؐ کا نورِ عین ہے

حسین گوہر

۱۹۶۰ء----

کب چمکے گی تلوار تیری آقا مولا
کب ام المصائب کے خطبے بن جائیں گے گفتار تیری
کب جلوۂ طور بپا ہوگا کب لشکرِ صف ادا ہوگا
کس وقت ثقیفی سازش سے امت کا ذہن صفا ہوگا
تکبیر سنیں اک بار تیری
لوگ اموی قلم چلاتے ہیں نیزے اب بھی لہراتے ہیں
قاتل تطہیر کی چادر کو اس دور میں زخماتے ہیں
بڑی زخمی ہے دستار تیری
تُو وارث ہے تُو رہبر ہے تُو تنہا ہے تُو لشکر ہے
تُو ہیبت ہے بنی ہاشم کی تُو مہدیؑ ہے تُو حیدرؑ ہے
ہستی ہے پُر انوار تیری
کچھ لوگ جہاں میں رہتے ہیں تجھے اپنے جیسا کہتے ہیں

اور کچھ بد بخت تیرے گھر میں گھسنے کا سوچتے رہتے ہیں
محفوظ نہیں دیوار تیری
تُو حجت ہے قرآں پہ بھی اسلام، نماز، اذاں پہ بھی
تھے تذکرے تیری آمد کے سجادؑ کی پاک زباں پہ بھی
تھی بات سرِ بازار تیری
تُو مرکز ہے ارمانوں کا سُن دُکھ اپنے دیوانوں کا
کب تیری قربت اے مولا سر کاٹے گی طوفانوں کا
راہ تکتے ہیں ماتمدار تیری
گو ہر احسان دارین پہ بھی مشرق مغرب طرفین پہ بھی
تیرے پاک ظہور کا موسم ہو قبرِ ام الحسنینؑ پہ بھی
خوشبو آئے سرکار تیری

خالد احمد

۲۰۱۳ء ـــــ ۱۹۴۳ء

اے لب گرفتگی! وہ سمجھتے ہیں، پیاس ہے
یہ خستگی تو اہلِ رضا کا لباس ہے

اے تشنگی! یہ حُسنِ محبت کے رنگ ہیں
اے چشمِ نم! یہ قافلہ اہلِ یاس ہے

یہ عشق ہے، کہ وسعتِ آفاقِ کربلا
یہ عقل ہے، کہ گوشہ دشتِ قیاس ہے

سایہ ہے سر پہ چادرِ صبر و صلوٰۃ کا
بادل کی آرزو ہے، نہ بارش کی آس ہے

سوئے دمشق صبر کا سکہ رواں ہوا
اک رخ پہ ہے خراش تو اک رُخ پہ لاس ہے

اے زینِ عابدینؑ ! امامِؑ شکستگاں
زنجیر زن ، ہواؤں میں کس خوں کی باس ہے

اے سر بلند و سر بہ فلک اہلِ دین و دل!
مدفون کربلا میں ہماری اساس ہے

تاجِ سر نیاز کا ہالہ ہے رفتگی
آہِ امام دل زدگاں آس پاس ہے

ممکن ہے کس طرح ؟ وہ ہماری خبر نہ لیں
ہر سانس ، تارِ پیرہن التماس ہے

خالدؔ شکست وفتح کے معنی بدل گئے
بازارِ شام ہے کہ شبِ التباس ہے

خالد شریف

۱۹۴۷ء۔۔۔

حسینؑ تم کو سلام پہنچے

وفا کے رستے میں کوئی درماندۂ و بےنوا مسافر
دمکتا چہرہ فگار پاؤں، زبان تشنہ لبی سے پتھر
اداس آنکھوں میں ایسی باتیں
کہ جیسے یہ ساری داستانیں ازل سے ابتک
اداس پلکوں کو چھو کے گزریں
لہو کی روشن لکیر چہرے پہ، جب بھی الہام بن کے اترے
صداقتوں کا کوئی علم دار پیاسی مٹی کو
اپنے خوں کا خراج دینے کو جب بھی اٹھے
غرور جبر و وفا کو قدموں میں رولنے کو
حقیقتوں کا سحاب جب بھی ابھرے
حضورِ حق میں سپردگی کی نوا لئے
جب بھی کوئی غلام پہنچے
حسینؑ تم کو سلام پہنچے
بس ایک ننھی کرن ردائے ظلمت کو کاٹتی ہے
بس ایک روشن جبیں عہدِ جبر و ہوس کو
جو ایک اپنی نشانیاں دے کے

ظلم اور مہر کے درمیاں اک لکیر کھینچتی ہے
بس ایک پُر درد دل
کسی کے غم کو رگوں میں اپنی اتار کر
بدنصیبوں کی دھڑکنوں کو زباں بناتا ہے
بس ایک چشم بینا
وہ دیکھتی ہے جو ہونے والا ہے اور صدیوں کی
پرت اوڑھے جو سنگریزے خموش ہیں، ان کے سینے پہ ہو چکا
کوئی دل، کوئی جبیں، کوئی آنکھ
جانتے، دیکھتے، سمجھتے، محرم اختیار ہوتے
سوادِ ہستی سے پیکرِ عدم میں اگر تشنہ کام پہنچے
حسینؑ تم کو سلام پہنچے
حسینؑ تم کو سلام پہنچے
کہ تُو نے روزِ وغا کہا تھا، یہ رات ڈھلنے کے واسطے ہے
مرے رفیقوں کا جذبۂ جاں سپاری
رسولؐ کی بیٹیوں کی آہ زاری
روایتوں کے نظام کہنہ کا رخ بدلنے کے واسطے ہے
یہ رات ڈھلنے کے واسطے ہے
شبِ بلا سے دیارِ صبح کی دستکوں میں اگر
کسی ستارۂ صبح گاہی کا نام پہنچے
حسینؑ تم کو سلام پہنچے

خورشید رضوی

۱۹۴۲ء۔۔۔۔

اشک میں گھل گیا لہو، سرخ ہوا قضا کا رنگ
عرصہ جاں پہ چھا گیا، پھر وہی کربلا کا رنگ
کس سے بھلا وہ ٹل سکے، عزم ہو جب حسینؑ کا
کون اسے بدل سکے، رنگ ہو جب خدا کا رنگ
اس نے بجھا دیا چراغ، تار ہے سہل و ساز گار
ظلمت پردہ دار میں، بدلی ہوئی ہوا کا رنگ
پر وہ سبھی تھے جاں نثار، سود و زیاں سے برکنار
ان کے دلوں میں تھا کوئی رنگ تو تھا وفا کا رنگ
جب بھی خیال آ گیا اس سر سرفراز کا
صفحۂ دل سے اڑ گیا، مصلحت و رِیا کا رنگ
ڈھل نہ سکے گا تا ابد اب کفِ دست شام سے
خونِ دل شہید کا رنگ نہیں حنا کا رنگ
صَرف کیے سخن ہزار پھر بھی رہا مآلِ کار
مہر بلب حروف پر حسرتِ مدعا کا رنگ

دلبر مولائی

۱۹۶۹ء----

یہ فاطمہؑ کا لعل ہے
حسینؑ با کمال ہے
یہ کربلا کا سرخ پھول
رسولؐ کا جمال ہے
حسینؑ نے خرید لی
بہشت اِن کا مال ہے
یزیدیت کی آندھیاں
ملوکیت کی چال ہے
زمانہ لاجواب ہے
حسینؑ اک سوال ہے
شہید ِ کربلا سلام
تُو سایۂ ذوالجلال ہے
غلام ہوں حسینؑ کا
عقیدتِ بلالؓ ہے

رئیس امروہوی

۱۹۸۸ء۔۔۔۔۱۹۱۴ء

نازاں ہیں رنگ و بو پہ بہت نو دمیدہ پھول
اے قلب داغ داغ ! دکھا چیدہ چیدہ پھول
کب ہیں بقدرِ شوق پہ دیدہ شنیدہ پھول
یا رب مجھے نصیب ہوں ناآفریدہ پھول
یہ موسمِ بہار ہے یا موسمِ عزا
غنچے ہیں سینہ چاک گریباں دریدہ پھول
خود چُن لیے مشیتِ پروردگار نے
اے کربلا کی خاک ترے برگزیدہ پھول
ہیں آج بھی بہار گلستانِ عاشقی !
گلزارِ فاطمہؑ کے جراحت رسیدہ پھول
تو اصغرؑ شہیدوں کا اک استعارہ ہے
پھول اپنے رنگ و بو پہ گلِ نورسیدہ پھول
یہ کس "قتیل گریہ" پہ شبنم ہے اشک ریز
کس تشنہ لب کی یاد میں ہیں آبدیدہ پھول

گلچیں جو نوچتا ہے گلوں کو تو کیا گلہ؟
بہتر ہے فصلِ گل میں رہیں برگزیدہ پھول
گلزار حق کا دعویٰ غارت گری یزید؟
اتنا نہ اپنے ظلم پہ او شوخ دیدہ پھول
جب سے ہوا ریاض حسینؑ خزاں پسند
گلشن میں پڑھ رہے ہیں خزاں کا قصیدہ پھول
گلدستۂ مزارِ شہیداں کے عشق میں
شاخوں سے کیا عجب ہے اگر ہوں کشیدہ پھول
کس باغِ بے خزاں کا لیا نام اے صبا!
شاخیں ہیں سرنگوں تو ادب سے خمیدہ پھول
پھولوں پہ اعتبار غلط ہے کہ آخرش
بوئے رمیدہ پھول ہیں، سنگ پریدہ پھول
شبنم کی آنکھ سے کوئی دیکھے تو صبح دم
کیا ہیں ؟ سوائے قطرۂ اشک چکیدہ پھول
اللہ رے میرے ذہن شگفتہ کی تازگی
کھلتے ہیں اے رئیسؔ ! یہ رنگ جدیدہ پھول

راحت امیر خان تری خیلوی

۱۹۶۸______

پُکارا جس گھڑی ہے یا حسینؓ ابنِ علیؑ مَیں نے
تو اس کے بعد مایوسی نہیں دیکھی کبھی مَیں نے

کنارے دین کی کشتی لگائی پسرِ زہراؑ نے
اسی در سے ہی سیکھی ہے خُدا کی بندگی مَیں نے

ہو جس محفل میں ذکرِ خیر اُس سبطِ پیمبر کا
تو ایسی بزم میں محسوس کی ہے تازگی مَیں نے

جو اِس دَر کا گدا گر ہے تونگر ہی رہا ہر دم
بھرا کشکول رہتا ہے نہیں دیکھی کمی مَیں نے

یہ ایسا نام ہے لوگو نہیں جو فیض سے خالی
کہ ہر اِک زاویے سے بات ہے محسوس کی مَیں نے

مصیبت جب پڑی مجھ پر مرا تو یہ وظیفہ ہے
اُنہی کے نام سے رب سے مدد ہے مانگ لی مَیں نے

ڈاکٹر ریحان اعظمی

۱۹۵۸ء۔۔۔۔۲۰۲۱ء

اے شیرنِ یزدانِ حیدرؑ
اے سخی باب الحوائج باوفا عباسؑ
السلام اے باوفا باب الحوائج السلام
بے کسوں کا آسرا باب الحوائج السلام
قائمِ آلِ محمدؐ کل اماموں کا سلام
اے دعائے سیدہؑ باب الحوائج السلام
وہ روز کہ جس کا وعدہ ہے
انساں کا مقدر بدلے گا
جب نورِ امامت چھائے گا
گونجے گی صدائے جاء الحق
اور مہدیِ دوراں آئے گا
اس روز سے سارے عالم میں
بس ایک علم لہرائے گا، غازیؑ کا علم اک سایہ
جو کل بھی تھا اور آج بھی ہے
اور اس کا کرم کل بھی ہوگا
عباسؑ، عباسؑ، عباسؑ، عباس

سوچوں میں چاند بن کر اس طرح زندہ رہا
چادرِ زہراؑ کے سائے میں سدا پلتا رہا
یہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کا سرمایہ رہا
زینبؑ و کلثومؑ کی بھی آنکھ کا تارا

سلام عباسؑ یا مولا سلام عباسؑ یا مولا

حُرمتِ دینِ نبیؐ، زہراؑ کے گھر کی آبرو
دل ہے یہ ام البنینؑ اور حیدرؑ کا لہو
سیرتِ شبیرؑ و شبرؑ کا سراپا ہو بہو
پنجتن کے درمیاں کس کا شرف ایسا

سلام عباسؑ یا مولا سلام عباسؑ یا مولا

یہ وہ گھر ہے جس طرف دیکھا ہمیں مولا ملا
ہر طرف مولا ہی مولا ابتداء تا انتہا
گرد مولاؤں کے یہ غازیؑ ہے مولائے وفا
اے خدا مولا، نبیؐ مولا، علیؑ مولا

سلام عباسؑ یا مولا سلام عباسؑ یا مولا

ہے علیؑ کی بادشاہی آسماں ہو یا زمیں
ہے علیؑ اسمِ الٰہی مصطفیٰؐ کا جانشیں
دوسرا حیدرؑ نہیں ہے دوسرا غازی نہیں
یاعلیؑ کہہ کر زباں کے ساتھ دل بولا

سلام عباسؑ یا مولا سلام عباسؑ یا مولا
بڑھ رہا ہے جانبِ دریا علم عباسؑ کا
کون روکے گا بھلا بڑھتا قدم عباسؑ کا
ہاں مگر شبیرؑ کو سہنا ہے غم عباسؑ کا
حکمِ شبیرؑ سے جس نے اپنے غیض کو روکا
سلام عباسؑ یا مولا
سلام عباسؑ یا مولا
الاماں وہ مشک کا چھدنا تڑپنا شیر کا
یا سکینہ الوداع کہہ کر وہ گرنا شیر کا
دیکھتی ہی رہ گئی رستہ سکینہؑ شیر کا
مر کے بھی سینے سے لپٹائے تھا مشکیزہ
سلام عباسؑ یا مولا سلام عباسؑ یا مولا
ہو کرم للہ بر حالِ غریباں یا سخیؑ
آپ سے ہی لَو لگائے ہیں یہ ساتے ماتمی
سرور و ریحانؔ کی قائم رہے یہ نوکری
اے سخی بابُ الحوائجؑ فضل کے بابا
سلام عباسؑ یا مولا، سلام عباسؑ یا مولا
سقائے سکینہؑ

سبطِ علی صبا

۱۹۳۵ء۔۔۔۔۱۹۸۰ء

جمود ذہن پہ طاری تھا انقلاب نہ تھا
سکونِ قلب کہیں سے بھی دستیاب نہ تھا

حصارِ ظلم کی بنیاد کو اکھاڑ دیا
جہاں میں تجھ سا کوئی بھی تو فتح یاب نہ تھا

کچھ اس لیے بھی ترے نام کے ہوئے دشمن
تو وہ سوال تھا جس کا کوئی جواب نہ تھا

کچھ اس طرح سے بہتر کا انتخاب کیا
کسی رسولؐ کا بھی ایسا انتخاب نہ تھا

حسینؑ ابنِ علیؑ کو نہ آفتاب کہو
وہ جب تھا جب کہ کہیں نامِ آفتاب نہ تھا

حسینؑ مصدرِ ام الکتاب کیا کہنا
بجز تمہارے کوئی وارثِ کتاب نہ تھا

حسینؑ باعثِ تخلیق کائنات ہے تُو
غضب ہے تیرے لیے کربلا میں آب نہ تھا

سلامت علی دبیر

۱۸۰۳ء۔۔۔۔۱۸۷۵ء

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبرائیلؑ لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پَر کو
ہر بند کھلا قبر میں رستم کے کفن کا
اور چرخ پہ ڈھلنے لگا بہرام کا منکا
تھا ہوش تہمتن کو نہ اپنے سر و تن کا
نام اڑ گیا مہروں سے سلاطینِ زمن کا
جس شیر نے شیروں سے سدا پنجہ کیا ہے
جنگاہ میں آج اس نے قدم رنجہ کیا ہے
ناگاہ ہُوا غُل کہ علمدارؑ وہ آیا
لختِ جگرِ حیدرِ کرارؑ وہ آیا

قہر و غضب حضرتِ جبار وہ آیا
فرزندِ پیمبر کا مددگار وہ آیا
اب جانوں کے بچنے کا کوئی طور نہیں ہے
عباسؑ ہے عباسؑ کوئی اور نہیں ہے
نیزے کو ہلایا کبھی ترچھا کبھی آڑا
پڑھ پڑھ کے رجز باغِ فصاحت کا اجاڑا
ظالم نے کئی پشت کے مردوں کو اکھاڑا
یُوں ہی مری ہمت نے جگر شیروں کا پھاڑا
ہم پنجہ نہ رستم ہے نہ سہراب ہے میرا
مرحب بن عبدالقمر القاب ہے میرا
یاں سیف زباں سیف الٰہی نے علم کی
فرمایا مرے آگے یہ تقریر ستم کی
گر منہ سے کہا کچھ تو زباں صاف قلم کی
کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی
طاقت ہے ہماری اسد اللہؑ کی طاقت
پنجہ میں ہمارے ہے یہ اللہ کی طاقت

سیدہ ہما شاہ

۱۹۸۳ء---

قبول کر لیں گے میرا سلام سبطِ نبی
حسینؑ ابنِ علیؑ کا مقام سبطِ نبی

ہو کوفیوں کو خبر جن کی نکلی غداری
انہی کے آئے ہزاروں پیام سبطِ نبی

میں آلِ پاک ہوں اور اہلِ بیت میں سے بھی
پکارا جائے مجھے بس غلام سبطِ نبی

کہاں ہیں جیت منانے میں چند وحشی
کٹا کے سر بھی سنایا کلام سبطِ نبی

نہ چھوڑا تھا میرے آقا نے صبر کا دامن
پیاسی ریت پہ پیاسے قیام سبطِ نبی

یزیدیت تو ابھی تک ہے چند ذہنوں میں
حسینؑ حق کے ہیں ٹھہرے امام سبطِ نبی

سید مبارک علی شمسی

۱۹۸۶ء---

دیں کو بچایا آپؑ کے ایثار کو سلام
مولا حسینؑ آپؑ کے کردار کو سلام
جیسے ازل کا وعدہ نبھایا ہے آپؑ نے
مولاؑ ہو تیری غیرتِ بیدار کو سلام
اپنائے دینِ حق کو بچانے کو واسطے
ہوں منفرد سے آپؑ کے اطوار کو سلام
بخشش کی مئے پلا کے بنایا ہے جنتی
ایسے عظیم آپؑ کے میخوار کو سلام
جیسے پڑھا قرآن ہے نیزے کی نوک پر
مولا حسینؑ آپؑ کے اظہار کو سلام
اک دشتِ نینوا کو معلّٰی بنا دیا
مولا حسینؑ آپؑ کے انوار کو سلام
شمسی بچا حسینؑ کے سجدے سے دینِ حق
مولا حسینؑ آپؑ کے انوار کو سلام

سبطِ جعفر حسین زیدی

۱۹۵۷ء۔۔۔۔۲۰۱۳ء

اے چاند کربلا کے

اے چاند کربلا کے
تُو نے تو دیکھے ہوں گے
اترے تھے اس زمین پر
عرشِ بریں کے تارے
اے چاند کربلا کے

اے چاند اس زمیں پر
رکھیو ہمیشہ ٹھنڈک
سوئے جو ہیں یہاں پر
زہراؑ کے ہیں یہ پیارے
اے چاند کربلا کے
تسنیم و سلسبیل و کوثر

کے ہیں یہ مالک
مارے گئے جو پیاسے
اس نہر کے کنارے
اے چاند کربلا کے
حُر اور حبیب جیسے
جانباز اور احیاء
مارے گئے یہیں پر
انصار شاہِ دیں کے
اے چاند کربلا کے
مارے گئے یہیں پر
بے دردیٔ ستم سے
مسلمؑ کے دونوں پیارے
زینبؑ کے دونوں بیٹے
اے چاند کربلا کے
پامال ہو رہی تھی
قاسمؑ کی لاش رَن میں
عباسؑ اور سرورؑ
چنتے تھے ان کے ٹکڑے

اے چاند کربلا کے
بازو کٹے یہیں پر
عباسؑ باوفا کے
اذنِ وغا نہ پایا
پانی بھی لا نہ پائے
اے چاند کربلا کے
اس سرزمیں پہ گزرا
سرور پہ یہ بھی صدمہ
سینے پہ کھائی برچھی
ہمشکلِ مصطفیٰؐ نے
اے چاند کربلا کے
پانی پلانے لائے
اک ماہ لقا کو سرورؑ
کیا ذبح حُرملا نے
تیرِ ستم لگا کے
گردن کٹی پدر کی
بازو چھدا پسر کا
دونوں تڑپ تڑپ کر

پیاسے جہاں سے گزرے
اے چاند کربلا کے
اس بَن میں ایک بچی
بابا کو ڈھونڈتی تھی
بکھرے ہوئے پڑے تھے
جب سر بریدہ لاشے
اے چاند کربلا کے
پھر یہ بھی تُو نے دیکھا
وہ غم رسیدہ بچی
سینے پہ سو رہی تھی
بے سر پدر سے لپٹی
اے چاند کربلا کے
بازو بندھے یہیں پر
پہلے پہل حرم کے
اس سرزمیں سے نکلے
سجادؑ سر جھکائے
اے چاند کربلا کے
شہزادۂ جناں بھی

مالک ہے کربلا کا
کس کی مجال آئے
جب تک نہ وہ بلائے
اے چاند کربلا کے
پہنچا ہے کربلا میں
ناچیز سبطِ جعفرؔ
اے کاش پھر مقدر
ہم کو یہ دن دکھائے
اے چاند کربلا کے

سید احمد حسین امجدؔ

۱۸۸۸ء۔۔۔۔۱۹۶۱ء

دیکھو علیؓ و فاطمہؓ کے ماہ کا رنگ
دیکھو شہِ لولاکؐ کے نوشاہ کا رنگ
ڈوبے ہوئے ہیں خونِ شہادت میں حسینؓ
ہے جامۂ عبدیت میں اللہ کا رنگ

مشکل ہے بہت صاحبِ ایماں ہونا
کچھ کھیل نہیں ہے حق پہ قرباں ہونا
ہاں مثلِ حسینؓ سر قلم ہوتا ہے
امجدؔ آساں نہیں مسلماں ہونا

سید رضی ترمذی

۱۰۱۵ء۔۔۔۔۹۷۰ء

زبانِ شعر میں کیا کچھ نہ کہہ دیا ہو گا
مگر وہ درد کا مضمون کب ادا ہو گا

یتوکِ خارِ مژہ ایک قطرۂ خوں تاب
سمندروں کا خدا اس کو دیکھتا ہوگا

جو جل کے رہ گئے آنکھوں میں اور بہہ نہ سکے
ان آنسوؤں کا وہ احوال جانتا ہوگا

مجھے نہ دیکھ مگر مجھ سے بے خبر بھی نہ رہ
ترے حضور کبھی میرا تذکرہ ہو گا

یہ سوچ کر کبھی تجھ سے نہ کی شکایتِ غم
کہ تُو نے غم جو دیا ہے تُو جانتا ہو گا

قدم قدم پہ جلاتا ہوں خونِ دل سے چراغ
یہ سوچ کر کوئی پیچھے بھی آ رہا ہو گا

تو شق نہ ہوگئی کیوں اے زمینِ کرب و بلا
کہ تجھ پہ خیمۂ سادات بھی جلا ہو گا

ملائکہ رہے جس گھر کے خادمانِ کرام
تری زمین پہ وہ گھر بھی اجڑ گیا ہو گا

وہ قافلہ تھا کہ شہزادگانِ عالم کا
وہ قافلہ بھی ترے دشت میں لٹا ہو گا

خدا کا قہر کہ اے آسماں تُو پھٹ نہ گیا
جو ظلم ان پہ ہُوا تُو بھی دیکھتا ہو گا

وہ شام شامِ غریباں وہ صبح صبحِ الم
عجیب وقت تھا جانے وہ وقت کیا ہو گا

سیماب اکبرآبادی

۱۸۸۲ء۔۔۔۔۱۹۵۱ء

اک دور سلامی دنیا کا صدیوں میں ایسا آتا ہے
جب کوئی پیمبر اٹھتا ہے یا کوئی شہادت پاتا ہے

جب نوحہ کعبہ والوں کا رو رو کر کوئی سناتا ہے
سینہ میں روح لرزتی ہے جینے سے دل گھبراتا ہے

تسلیم و رضا کی منزل میں ہر گام پہ لاکھوں خطرے ہیں
دریا سے آگ ابلتی ہے بادل شعلے برساتا ہے

ہے زندگی جاوید کہاں یہ زندگی اس کو ملتی ہے
جنگل کی تپتی ریت اوپر جو اپنا خون بہاتا ہے

مردانِ وفا خوش ہو ہو کر تلوار کا پانی پیتے ہیں
اور زخم وہ نعمت ہے جس کو غازی ہنس ہنس کر کھاتا ہے

اکبرؑ برچھی کھا کر بولے ہم صورت گل افسردہ ہیں
اصغرؑ نے کہا سکی لے کر لو غنچہ بھی مرجھاتا ہے

اے قہرِ خدا اس دنیا پر گرتی نہیں کیوں بجلی تیری
گھر سے دور اک پورا کنبہ جنگل میں لوٹا جاتا ہے

انسان ترے پتھر دل ہیں کیوں درد نہیں انسانوں کا
دکھ دیتا ہے مظلوموں کو معصوموں کو ترساتا ہے

اے نہر فرات اے نہرِ فرات افسوس کر اپنی قسمت پر
کوثر کا ساقی آج ترے ساحل سے پیاسا جاتا ہے

سجادؑ اسیر جور ہوئے افسوس کسی نے یہ نہ کہا
یہ پاؤں ستونِ کعبہ ہیں زنجیر کسے پہناتا ہے

نزدیک قیامت آ پہنچی کیا صبح شہادت آ پہنچی
اے صبح کے تارے کچھ تو بتا کیوں پھیکا پڑتا جاتا ہے

یہ شام کے میداں میں یا رب کیا آج تباہی آئی ہے
ہے ظہر کا وقت ابھی باقی اور سورج ڈوبا جاتا ہے

سیمابؔ نظر آتی ہے مجھے ہر چیز اداس اور آزردہ
فطرت غمگیں ہو جاتی ہے جب ماہِ محرم آتا ہے

شہرت بخاری

۱۹۲۵ء ---- ۲۰۰۱ء

لاکھ امکاں روزگار میں تھے
روز و شب کس کے اختیار میں تھے

وہم ثابت ہوئے گل و لالہ
خار ہی دامنِ بہار میں تھے

رُک گئی گردشِ فلک گویا
ایسے لمحے بھی اعتبار میں تھے

مشک بار آج بھی ہے جس سے شام
ایسے آہو بھی مرغزار میں تھے

جس کے اٹھنے سے اٹھ گیا کیا کیا
لوگ ایسے بھی اس دیار میں تھے

اے فلک خاک میں ملایا جنہیں
یہ گہر کون روزگار میں تھے؟

وہ کہ دوشِ نبیؐ کی زینت تھے
اپنی امت ہی کے حصار میں تھے

ان کے دربان جبریلِؑ امیں
ماہ و خورشید کس شمار میں تھے

ان کی تنہا روی کے کیا کہنے
سینکڑوں قافلے غبار میں تھے

نعشِ اکبرؑ اٹھائی جب شہؑ نے
لختِ دل چشمِ اشکبار میں تھے

خونِ احمدؐ کی اتنی ارزانی
آسماں کس کے انتظار میں تھے

شعر بن کر ابل پڑے شہرت
اشک جو قلبِ بے قرار میں تھے

شفقتؔ کاظمی

۱۹۷۵ء۔۔۔۔۱۹۱۴ء

بیادِ سبطِ نبیؐ میں جو بہائے جاتے ہیں
ان آنسوؤں سے مقدر بنائے جاتے ہیں

یقیں نہ ہو تو وہیں کربلا میں چل کر دیکھ
کس اہتمام سے جنگل بسائے جاتے ہیں

عدوِ آلؑ کو ضد ہے کہ ذکرِ آلؑ نہ ہو
کہیں یہ نام بھی دل سے بھلائے جاتے ہیں

کمی حسینؑ کی اب بھی ہے کاظمی ورنہ
یزید آج بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں

شہزاد احمد

۱۹۳۲ء۔۔۔۔۲۰۱۲ء

وعدہ کر کے بھی نہیں ساتھ نبھانے والے
کتنے بیدرد ہیں یہ لوگ زمانے والے

اہلِ کوفہ نے بلایا تو چلے آئے ہیں
کیسے سادہ ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

رحم کرتے ہیں تو اس کی بھی نہیں حد کوئی
کسی سفاک کو خاطر میں نہ لانے والے

فیصلہ آپ کریں ، آپ کو کرنا کیا ہے؟
آپ پر چھوڑتے ہیں شمع بجھانے والے

ظلم کے تیروں سے چھلنی ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ
غلبہ ءِ کفر سے دنیا کو بچانے والے

ظلم کرنے پہ تلی بیٹھی ہے دنیا ساری
اور ہم لوگ فقط سوگ منانے والے

عرصۂ دہر میں باقی نہیں رہتا کچھ بھی
خاک ہو جاتے ہیں خیموں کو جلانے والے

کس کو معلوم کہ دن بھر کے تھکے ہارے ہوئے
شام کو اپنے لہو میں ہیں نہانے والے

کیا بتائیں تجھے کیا چیز ہے یہ تشنہ لبی
خشک ہو جاتے ہیں، دریا نظر آنے والے

جو بچاتے نہیں کل کے لیے اک دانہ بھی
وہی درویش ہیں عقبیٰ کے خزانے والے

درِ مولا پہ پڑے ہیں تو بڑے ہیں شہزاد
یہ پرندے نہیں اڑ کر کہیں جانے والے

شورشؔ کاشمیری

۱۹۱۷ء۔۔۔۔۱۹۷۵ء

قرنِ اول کی روایت کا نگہدار حسینؑ
بس کہ تھا لختِ دلِ حیدرِ کرار حسینؑ

عرصۂ شام میں ہی پارۂ قرآنِ حکیم
وادیٔ نجد میں اسلام کی للکار حسینؑ

سر کٹانے چلا منشائے خداوند کے تحت
اپنے نانا کی شفاعت کا خریدار حسینؑ

کوئی انساں کسی انساں کا پرستار نہ ہو
اس جہاں تاب حقیقت کا علمدار حسینؑ

ابو سفیان کے پوتے کی جہانبانی میں
عزت خواجہ گیہاں کا نگہدار حسینؑ

کرۂ ارض پہ اسلام کی رحمت کا ظہور
عشق کی راہ میں تاریخ کا معمار حسینؑ

جان اسلام پہ دینے کی بنا ڈال گیا
حق کی آواز صداقت کا طرفدار حسینؑ

دین قیم کے شہیدوں کا امام برحق
حشر تک امتِ مرحوم کا سردار حسینؑ

ہر زمانے کے مصائب کو ضرورت اس کی
ہر زمانے کے لیے دعوتِ ایثار حسینؑ

کربلا اب بھی لہو رنگ چلی آتی ہے
دورِ حاضر کے یزیدوں سے ہے دوچار حسینؑ

شفیق مراد

۱۹۶۰ء ــــــ

غرورِ کفرِ یزیدی مٹا رہے ہیں حسینؑ
مری زمین کو جنت بنا رہے ہیں حسینؑ

مرے رسول کی نظروں کا فیض تو دیکھو
کہ مثلِ شمس و قمر جگمگا رہے ہیں حسینؑ

میں جن حروف سے لکھتا ہوں داستانِ وفا
انہی حروف کو عنقا بنا رہے ہیں حسینؑ

حسینؑ آپ کی اس دل پہ حکمرانی ہے
وفورِ شوق سے ہم یہ بتا رہے ہیں حسینؑ

وہ بن کے رشد و ہدایت کے پیکرِ انمول
رموزِ دینِ محمد سکھا رہے ہیں حسینؑ

غمِ حسینؑ کی دولت سے سرفراز ہوں میں
مرے نصیب پہ اب مسکرا رہے ہیں حسینؑ

یزیدِ عصر کے فتنوں میں گھر گیا ہوں مراد
تبھی تو شانِ جلالی سے آ رہے ہیں حسینؑ

شمشاد حسین سرآئی

۱۹۶۵ء----

کندہ جبینِ وقت پہ ہے تحریر اب تلک
قائم حسینؑ سے ہے توقیر اب تلک

اٹھ اٹھ کے کہہ رہی ہیں موجیں فرات کی
پیاسا ہے کربلا میں بے شیر اب تلک

ستر قدم سے منظرِ مقتل عجیب تھا
آنسو بہا رہی ہے ہمشیر اب تلک

اصغرؑ کا سرِ شام میں نیزے کی نوک پر
حیرت سے دیکھتی ہے تقدیر اب تلک

اکبرؑ کا قتل اصل میں احمدؐ کا قتل تھا
ہائے خاک پہ پڑی ہے تصویر اب تلک

شمشاؔد بن رہا ہے سرمایۂ حیات
جاری ہے آنسوؤں کی جاگیر اب تلک

صباؔ اکبر آبادی

۱۹۰۸ء۔۔۔۱۹۹۱ء

حسینؑ نزہتِ باغِ پیمبرِؐ عربی
حسینؑ نازشِ فاقہ وقارِ تشنہ لبی
حسینؑ شمعِ حقیقت چراغِ بزمِ نبیؐ
حسینؑ لختِ دلِ مرتضیٰ و جانِ بتول
جہاں میں کس کو میسر ہے یہ علو نسبی
حسینؑ سینہ اکبرؑ سے کھینچ لی برچھی
ستم کا تیر بھی دیکھا گلوئے اصغرؑ میں
وہ مسکرانے کا انداز روحِ تشنہ لبی
جوان بھائی کے شانے کٹے ہوئے دیکھے
یہ صبر ابنِ ید اللہ یہ رضا طلبی
یہی تو شان ہے سبطِ رسولؐ ہونے کی
دعائے بخشش امت جواب بے ادبی
نہیں ہے کوئی ذریعہ صباؔ حسینؑ تو ہیں
بڑا سبب ہے زمانہ میں اپنی بے سببی

صفدر حسین ڈوگر کربلائی

۲۰۱۹ء۔۔۔۱۹۴۶ء

میں تیرے قائم کی خیر مانگوں پہلے اپنی ہر اک دعا سے
حسینؑ مجھ کو معاف کرنا میں زندہ آیا ہوں کربلا سے

میں نے اکبرؑ کی لاش پر بھی اپنی خاطر دعائیں مانگیں
میں نے مقتل میں بنتِ زہراؑ سے بیٹیوں کی ردائیں مانگیں

میں نے اصغرؑ تڑپتا دیکھا نواسوں پوتوں کی خیر مانگی
میں نے قاسمؑ کے بکھرے ٹکڑوں پہ ہمنواؤں کی خیر مانگی

تلہ زینبؑ سے خیمہ گاہ تک کیوں میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں
شہ کی مقتل کو دیکھ کر بھی دعاؤں پر یہ تلی ہوئی تھیں

تیرے زخمی بدن سے ہٹ کر میں اپنی سوچوں میں گم کھڑا تھا
تیرا کنبہ قبیلہ سارا جہاں پہ بکھرا ہوا پڑا تھا

میں گنجِ شہداء کی بکھری لاشوں پہ اپنے ہوش و حواس میں تھا
میں ٹھنڈا پانی ہی پی رہا تھا جہاں پہ اصغرؑ پیاس میں تھا

جہاں پہ قاتل نے تیری بہنوں کے چہروں پر تھے طمانچے مارے
جہاں پہ تیری ہی بیٹیوں کے تھے جلتے خیموں میں در اتارے

جہاں پہ اصغرؑ کا خون تیری جبینِ اقدس پہ گر رہا تھا
جہاں پہ لاشِ عباسؑ لے کر تُو دشمنوں میں بھی چپ کھڑا تھا

جہاں پہ تیری یہ ریشِ اقدس اپنے چہرے کے خوں میں تر تھی
جہاں پہ اکبرؑ تڑپ رہا تھا تیری آنکھوں کی گم نظر تھی

ساری مقتل کی ان جگہوں پر بھی میں غذا کی تلاش میں تھا
دعاؤں میں بھی تھا رزق روزی میں اپنی فکرِ معاش میں تھا

میں اپنے چہرے کی زیب و زینت میں انتہائی مگن رہا تھا
خون آلودہ لاشوں میں بھی میں نرم بستر پہ خوش پڑا تھا

میں ایک رسمی سلام کر کے کیوں تیری تربت سے ہٹ گیا تھا
دُور سے پھر تو آتے جاتے میں تیرے روضے پہ جھک رہا تھا

دریدہ دہنی کی انتہاء تھی میں اچھے کھانوں پہ لڑ رہا تھا
کہاں کے آنسو، کہاں کا گریہ، میں تردد میں کب پڑا تھا

وہاں سے آ کر میں ہر جگہ پر فضائل اپنے سنا رہا ہوں
ستائشِ باہمی کے سلسلے میں داد بے حد میں پا رہا ہوں

یہ میری آہیں یہ میرا گریہ بنامِ زہرا وصول کر لے
ندامتوں کے یہ بہتے آنسوبطورِ ہدیہ قبول کر لے

میں تیرا مجرم ہوں میرے مالک تو مجھ کو پتھر سے دُر بنا دے
اے کربلا کے کریم قادر تو مجھ کو عاصی سے حُر بنا دے

علی شاہ

۱۹۶۶-----۲۰۱۶

گھوڑے سے گرتے گرتے غازیؑ نے دی صدا
میرا سلام آخر ہو شاہ دُو سرا

رو رو کے شاہِ دیں یہ کہتے تھے ہائے ہائے
زورِ کمر ہمارا گھوڑے سے گر گیا

خیموں سے وَااحبَاب کی آتیں تھیں صدائیں
اہلِ حرم پہ کیسا محشر ہوا بپا

بھائی کے زخمی سر کو گودی میں رکھا بھائی
منظر وہ کربلا کا کیسا عجیب تھا

مجھ کو نہ لے کے جانا مولا کبھی بھی خیمے
رو رو کے علیؑ شاہ یہ کہتے تھے باوفا

ظہور نظر

۱۹۸۱ء۔۔۔۔۱۹۲۳ء

اے حسینؑ اے حُسنِ آدم ، فخرِ انساں السلام
السلام اے جانِ دل ، اے دل بر جاں السلام

تیری گردِ راہ سے ، تیرے سفر سے آج بھی
سمت پاتے ہیں جہاد و حریت کے کارواں
نام لیں تیرا تو جاں پاتی ہیں مردہ جرأتیں
ذکر سے تیرے مہک اٹھتی ہے روحِ خستگاں

اے حسینؑ اے خوشبوئے اوراقِ قرآں السلام
السلام اے جانِ دل ، اے دل برجاں السلام

پرچمِ حق جس طرح تُو نے کیا تھا سر بلند
جیسے تو باطل سے ٹکرایا تھا ، ٹکرائے گا کون
کون آئے گا سرِ دشت ستم اس آن سے
راہِ دیں میں گھر کا گھر اس دھج سے کٹوائے گا کون

اے حسینؑ اے خوشبوئے اوراقِ قرآں السلام
السلام اے جانِ دل ، اے دل بر جاں السلام

زندگی یُوں کی کہ تیری زیست پر نازاں ہے خلق
جان ایسے دی کہ خالق کو مسیر کر دیا
چشمِ دنیا نے کبھی دیکھا نہ تھا ایسا غروب
ڈوب کر تُو نے جہاں سارا منور کر دیا

اے حسینؑ اے خوشبوئے اوراقِ قرآں السلام
السلام اے جانِ دل ، اے دل بر جاں السلام

ابر جو اٹھا تھا تیری تشنگی کے بحر سے
سوکھنے دے گا نہ تسلیم و رضا کی کھیتیاں
خوں جو تیرے چشمہ ءِ حلقوم سے جاری ہوا
تا ابد منہ زور رکھے گا وفا کی ندیاں

اے حسینؑ اے خوشبوئے اوراقِ قرآں السلام
السلام اے جانِ دل ، اے دل بر جاں السلام

ظہیر کاشمیری

۱۹۱۹ء---۱۹۹۴ء

ذروں میں عکس ریز رُخِ ماہتاب ہے
صحرا میں خیمہ زن پسرِ بو ترابؑ ہے

جلوے بکھر رہے ہیں جمالِ رسولؐ کے
خیمہ گہ بتولؑ ہمہ آفتاب ہے

ہیں خوف سے غنیم کے چہرے اُڑے ہوئے
جنگاہ میں حسینؑ جلالت مآب ہے

ہر تیغ اپنی کاٹ میں ہے تیغ ذوالفقار
ہر تیغ زن کے ساتھ علیؑ ہمرکاب ہے

جس جس جگہ امامِ زمن کے ہیں نقشِ پا
ہر ذرہ اس سواد کا گردوں جناب ہے

دن کا بدن ہے ظلم کے دھبوں سے داغ داغ
زخموں سے چور چور رُخِ آفتاب ہے

دریا بھی سیلِ گریہ بنا ہے بوقتِ شام
ریگِ رواں بھی آئینہ اضطراب ہے

جاں دے کے زندگی کو ابد آشنا کیا
تاریخِ رزم میں یہ نیا انقلاب ہے

ہر زخم لاالہٰ کی تفسیر ہے ظہیر
جسمِ حسینؑ آیۂ اُم الکتاب ہے

عارف عبدالمتین

۱۹۲۳ء ــــــ ۲۰۰۱ء

جبر کی ریگ ہر اک سمت

آدمیت کا گلستاں کہ جسے روحِ رسالتؐ نے صبا کی صورت
نکہت و رنگ کے اعجاز سے فردوس بنا ڈالا تھا
وقت کی صرصرِ شوریدہ نے اندازِ ملوکانہ سے
اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ویران کیا
جیسے وہ فصلِ بہاراں سے کسی طور شناسا ہی نہ تھی
جبر کی ریگ ہر اک سمت اڑی پھرتی تھی
دور تا حدِ نظر جھوٹ کا صحرا تھا محیط
دندناتی تھی بگولوں کی طرح سطوتِ شاہی جس میں
آدمیت کے گلستاں کی یہ ویرانی گراں تھی تجھ پر
تجھ کو منظور نہیں تھا کہ صبا کا فردوس
یُوں ہلاکت کے جہنم میں بدل کر رہ جائے
راحتِ روح و بدن کرب میں ڈھل کر رہ جائے
تو اٹھا مطلعِ حریت سے

ابرِ شاداب کے رحمت بھرے اسلوب کے ساتھ
اور سفاک فضاؤں سے ترا پیکرِ رنگیں اترا
آدمیت کے خزاں دیدہ گلستاں میں لیے اپنے لہو کی برکھا
تیری برکھا کی ترل سے اک افسانہ بنی جبر کی ریگ
اک کہانی میں ڈھلا جھوٹ کا پھیلا صحرا
اور صحرا کے بگولوں کی حقیقت ہوئی اک خواب کی پرچھائیں سی
آدمیت کے گلستاں کو ترے خوں سے ملا کتنی ہی پوشیدہ بہاروں کا سراغ
کھل اٹھے اس میں محبت کے گُل ولالہ کہیں
اور چٹکے کہیں ایثار وفا کے غنچے
سچ کہیں سرو وسمن بن کے نمودار ہوا
ابنِ آدم کو نئے سر سے کسی جنت گم گشتہ کا دیدار ہوا
اے حسینؑ ابنِ علیؑ تجھ کو ترے اوجِ شہادت کو سلام
تیری ثروت، تری رفعت، تری عظمت کو سلام

عبدالحمید عدم

۱۹۱۰ء۔۔۔۔۱۹۸۱ء

تھا کربلا کو ازل سے جو انتظارِ حسینؑ
وہیں تمام ہوئے جملہ کاروبارِ حسینؑ

دکانِ صدق نہ کھولو ، اگر نہیں توفیق
کہ جاں چھڑک کے نکھرتا ہے کاروبارِ حسینؑ

وہ ہر قیاس سے بالا ، وہ ہر گماں سے بلند
درست ہی نہیں اندازۂ شمارِ حسینؑ

کئی طریقے ہیں یزداں سے بات کرنے کے
نزولِ آیتِ تازہ ہے یادگارِ حسینؑ

وفا سرشت بہتر نفوس کی ٹولی
گئی تھی جوڑنے تاریخِ زرنگارِ حسینؑ

عزیز لکھنوی

۱۸۸۲ء۔۔۔۱۹۳۵ء

شہیدِ اعظم و فخرِ الم سلام علیک
غریب کشتۂ تیغِ ستم سلام علیک

فروغ دودۂ ختمی مآب نور الہ
خجستہ شاہ جمیل. شیم سلام علیک

رہ خدا میں سروتن سے کام آیا تو
کریم و رہبر اہلِ کرم سلام علیک

مسیح دینِ محمد مجددِ اسلام
ضیا فراز شبستانِ غم سلام علیک

فرازِ نوکِ سناں تیرے واسطے معراج
بلند مرتبہ عالی ہمم سلام علیک

شہیدِ آلِ محمد خلاصۂ ایجاد
نوادۂ نبی محترم سلام علیک

ابو الائمۃ الاطہار سید الشہداءؑ
صحیفۂ شرفِ مختتم سلام علیک

طواف کرتے ہیں جس کا ملائکہ شب و روز
وہ تیرا کعبۂ نقشِ قدم سلام علیک

ہر ایک زخم میں فردوسِ معرفت پنہاں
بہارِ دیں کی سر تا قدم سلام علیک

ہر ایک مصیبتِ عظمٰی کا خاتمہ تجھ پر
خدائے لذتِ ذوقِ ستم سلام علیک

عزیزؔ بھی ہے طلب گار تیری نصرت کا
امین و مونس اربابِ غم سلام علیک

عطاء الحق قاسمی

۱۹۴۳ء۔۔۔۔

جب بھی شام کو سورج ڈوبنے لگتا ہے
ایسے میں یہ دل بھی ڈولنے لگتا ہے
آنکھوں میں پھر جاتی ہے وہ سوہنی صورت
اور پھر دل پر خنجر چلنے لگتا ہے
اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں
خیموں میں کوئی بچہ رونے لگتا ہے
چاروں جانب گھیرا جھوٹ کے لشکر کا
سچ کا سایہ اس پر پھیلنے لگتا ہے
سچ کا سایا حُر کی صورت سامنے ہے
وہ ہر دل پر دستک دینے لگتا ہے
حرص و ہوس کے بندے لیکن کیا جانیں
مرنے والا کیسے جینے لگتا ہے
لیکن تم مایوس نہ ہونا دل والو!
دل جو سوچتا ہے وہ ہونے والا ہے

عاصم پیرزادہ

۱۹۷۵ء----

ہر اک زباں پہ اب ہے فسانہ حسینؑ کا
صدیوں سے معتقد ہے زمانہ حسینؑ کا

انسانیت خلوص ، وفا ، دین کا وقار
میری نظر میں ہے یہ خزانہ حسینؑ کا

دشتِ بلا میں بخششِ امت کے واسطے
یاد آیا ہے لہو میں نہانا حسینؑ کا

باطل شکست کھائے گا اس کا ہے یہ ثبوت
کوفے کی سر زمیں پہ وہ آنا حسینؑ کا

اس کو نصیب ہوگی شفاعت حضورؐ کی
دنیا میں جس نے مرتبہ جانا حسینؑ کا

شاید تمہیں خبر ہی نہیں اے یزیدیو
لب پر ہے اک جہاں کے ترانہ حسینؑ کا

کیوں مرتبہ حسینؑ کا سب سے بلند نہ ہو
نبیوں کا تاجدار ہے نانا حسینؑ کا

اللہ کی رضا ہے محمدؐ کی پیشکش
عاصمؔ فدا ہوا جو گھرانہ حسینؑ کا

غلام محمد قاصر

۱۹۴۴ء۔۔۔۔۱۹۹۹ء

جو پیاس وسعت میں بے کراں ہے سلام اس پر
فرات جس کی طرف رواں ہے سلام اس پر

سبھی کنارے اسی کی جانب کریں اشارے
جو کشتیِ حق کا بادباں ہے سلام اس پر

جو پھول تیغِ اصول سے ہر خزاں کو کاٹیں
وہ ایسے پھولوں کا پاسباں ہے سلام اس پر

مری زمینوں کو اب نہیں خوفِ بے ردائی
جو ان زمینوں کا آسماں ہے سلام اس پر

ہر اک غلامی ہے آدمیت کی نا تمامی
وہ حریت کا مزاج داں ہے سلام اس پر

حیات بن کر فنا کے تیروں میں ضوفشاں ہے
جو سب ضمیروں میں ضوفشاں ہے سلام اس پر

کبھی چراغِ حرم کبھی صبح کا ستارہ
وہ رات میں دن کا ترجماں ہے سلام اس پر

میں جلتے جسموں، نئے طلسموں میں گھر چکا ہوں
وہ ابرِ رحمت ہے سائباں ہے سلام اس پر

شفق میں جھلکے کہ گردنِ اہلِ حق سے چھلکے
لہو تمہارا جہاں جہاں ہے سلام اس پر

فارغ بخاری

۱۹۹۷ء۔۔۔۔۔۱۹۱۷ء

حسینؑ نوعِ بشر کی ہے آبرو تجھ سے
حدیثِ حرمتِ انساں ہے سرخرو تجھ سے

ملایا خاک میں تُو نے ستمگروں کا غرور
یزیدیت کے ارادے ہوئے لہو تجھ سے

بہت بلند ہے تیری جراحتوں کا مقام
صداقتوں کے چمن میں ہے رنگ و بو تجھ سے

ترے لہو کا یہ ادنیٰ سا اک کرشمہ ہے
ہوئی ہے عام شہادت کی آرزو تجھ سے

وہ باغیانہ خیالات اب بھی زندہ ہیں
ترے گھرانے میں ملتے ہیں ہو بہو تجھ سے

کبھی جبر کی قوت سے دب سکا فارغؔ
ملی ہے ورثے میں یہ سرکشی کی خو تجھ سے

فیض احمد فیض

۱۹۱۱ء---۱۹۸۴ء

رات آ ئی ہے شبیرؑ پہ یلغارِ بلا ہے
ساتھی نہ کوئی یار نہ غم خوار رہا ہے
مونس ہے تو اک درد کی گھنگھور گھٹا ہے
مشفق ہے تو اک دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
تنہائی کی ،غربت کی ، پریشانی کی شب ہے
یہ خانۂ شبیرؑ کی ویرانی کی شب ہے

دشمن کی سپہ خواب میں مدہوش پڑی تھی
پل بھر کو اِدھر آنکھ کسی کی نہ لگی تھی
ہر ایک گھڑی آج قیامت کی گھڑی تھی
یہ رات بہت آلِ محمدؐ پہ کڑی تھی
رہ رہ کے بکا اہلِ حرم کرتے تھے ایسے
تھم تھم کے دِیا آخر شب جلتا ہو جیسے!

اک گوشے میں ان سوختہ سامانوں کے سالار
ان خاک بسر، خانماں ویرانوں کے سردار

تشنۂ لب و درماندہ و مجبور و دل افگار
اس شان سے بیٹھے تھے شہِ لشکرِ احرار
مسند تھی نہ خلعت تھی نہ خدام کھڑے تھے
ہاں تن پہ جدھر دیکھئے سو زخم سجے تھے

کچھ خواب تھا چہرے پہ نہ تشویش ذرا تھی
ہر ایک ادا مظہرِ تسلیم و رضا تھی
ہر ایک نگہ شاہدِ اقرارِ وفا تھی
ہر جنبشِ لب منکرِ دستورِ جفا تھی
پہلے تو بہت پیار سے ہر فرد کو دیکھا
پھر نام خدا کا لیا اور یُوں ہوئے گویا

الحمد قریب آیا غمِ عشق کا ساحل
الحمد کہ اب صبحِ شہادت ہوئی نازل
بازی ہے بہت سخت میانِ حق و باطل
وہ ظلم میں کامل ہیں تو ہم صبر میں کامل
بازی ہوئی انجام مبارک ہو عزیزو
باطل ہو انا کام مبارک ہو عزیزو

فرزانہ فرحت

۱۹۶۰ء----

سجا ہوا تھا دیکھئے دعویٰ حسینؑ کا
چمکا جو آسماں پہ ستارا حسینؑ کا

دلکش تھا پُر وقار تھا پُر نور تھا بہت
چہرہ وہ خاک و خون میں لپٹا حسینؑ کا

آنکھوں میں سوگواریاں، ہونٹوں پہ پیاس تھی
جب کربلا میں قافلہ اترا حسینؑ کا

وہ مثلِ ماہتاب منور تھا کس قدر
کیا تھا پُر شکوہ سراپا حسینؑ کا

دیکھا تھا آسمان نے نیزوں کے درمیاں
وہ تمکنت کے ساتھ گزرنا حسینؑ کا

فرحتؔ میں خونِ دل میں ڈبو کر یہ انگلیاں
لکھنے لگی ہوں آج یہ نوحہ حسینؑ کا

قتیل شفائی

۱۹۱۹ء۔۔۔۔۲۰۰۱ء

سلام اس پر کہ سب انسانیت جس سے شناسا ہے
پسر ہے جو علیؑ کا اور محمدؐ کا نواسہ ہے
تضاداتِ مشیت دیکھئے اس کے حوالے سے
جو اپنی ذات میں ہے اک سمندر اور پیاسا ہے
برہنہ سر، لٹی املاک اور کچھ راکھ خیموں کی
مدینے کے سفر کا بس اتنا سا اثاثہ ہے
علی اصغرؑ تکے جاتے ہیں اس عالم کو حیرت سے
نہ لوری پیاری اماں کی، نہ بابا کا دلاسہ ہے
کسی نے سر کٹایا اور بیعت کی نہ ظالم کی
سنی تھی جو کہانی، اس کا اتنا سا خلاصہ ہے
نہ مانگا خوں بہا اپنا خدا سے روزِ محشر بھی
مگر نانا کی امت کے لیے ہاتھوں میں کاسہ ہے
قتیلؔ اب تجھ کو بھی رکھنا ہے اپنا سر ہتھیلی پر
کہ تیرے شہر کا ماحول بھی اب کربلا سا ہے
قتیلؔ اس شخص کی تعظیم کرنا فرض ہے میرا
جو صورت اور سیرت میں محمد مصطفیٰؐ سا ہے

قیصر عمران مگسی

۱۹۸۱ء----

بجز اس کے ہمارے پاس کیا ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کا آسرا ہے

جسے عرشِ معلیٰ کہہ رہے ہو
علی اکبرؑ کے بابا کی عطا ہے

جہاں اب تک ملائک سرنگوں ہیں
وہ گھر اے مومنو شبیرؑ کا ہے

ستارے رقص کرتے ہیں زمیں پر
"یہ میلادِ شہِ کرب و بلا ہے"

خدا کا دین جو قائم ہے قیصرؔ
یہ احسانِ شہِ کرب و بلا ہے

کوثر نیازی

۱۹۳۴ء۔۔۔۱۹۹۴ء

دل و دماغ میں مہر و وفا کے افسانے
تصورات میں روشن فضائے بدر و حنین
خوشا یہ اوجِ مقدر رہے یہ عز و شرف
مری زباں پہ جاری ہے آج ذکرِ حسینؑ
نہ فکر سود و زیاں کی نہ ذکرِ تیغ و تبر
حسینؑ ! راہِ خدا میں تری یہ بے تابی
بہار گلشنِ اسلام میں پلٹ آئی
کہ تیرے خون سے قائم ہے اس کی شادابی
کہیں بھی اہلِ محبت کی تشنگی نہ بجھی
فرات و نیل کے ساحل سے تا بہ گنگ و جمن
برائے لالہ و گل اجنبی ہے فصلِ بہار
خزاں کے دستِ تصرف میں آ گیا ہے چمن
ہر ایک سمت میں عفریت ظلم کے رقصاں
خدا کے دین کا حلقوم ہے تہ شمشیر
نئے یزید ، نئی کربلا ہوئی پیدا
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے کوئی نیا شبیرؑ

مجید امجد

۱۹۱۴ء---۱۹۷۴ء

بستے رہے----

بستے رہے سب تیرے بصرے، کوفے
اور نیزے پر، بازاروں، بازاروں گزرا
سر----سرور کا
قید میں منزلوں، منزلوں روئی
بیٹی ماہِ عرب کی
اور ان کی شاموں کے نخلستانوں میں
گھر گھر، روشن روشن رہے الاؤ!
چھینٹے پہنچے تیری رضا کے ریاضوں تک
خون شہداء کا
اور تیری دنیا کے دمشقوں میں بے داغ
پھریں زرکار عبائیں!
مالک تو اپنے ان شقی جہانوں کے غوغا میں
ہمیں عطا کر----
زیرلب ترتیلیں، ان ناموں کی، جن پر
تیرے لبوں کی مہریں ہیں

محمد اعظم چشتی

۱۹۷۲ء۔۔۔۔۲۰۱۳ء

جہانِ عشق و محبت ہے آستانِ حسینؑ
نشانِ حق و صداقت ہے آستانِ حسینؑ
حدیثِ صدق و صفا داستانِ صبر و رضا
بنائے شوقِ شہادت ہے آستانِ حسینؑ
جہاں میں مسکن و ماوا ہے اہلِ ایماں کا
دیارِ حُسنِ عقیدت ہے آستانِ حسینؑ
زمانہ کہتا ہے جس کو جمالِ لم یزلی
اسی جمال کی حجت ہے آستانِ حسینؑ
نظر گئی ، مگر اب تک نہ لوٹ کر آئی
وہ برج اوجِ امامت ہے آستانِ حسینؑ
جو دیکھنا ہو تو میری نگاہ سے دیکھو
گنہگاروں کی جنت ہے آستانِ حسینؑ
یہیں سے جلتے ہیں اعظم حقیقتوں کے چراغ
ضیائے شمع نبوت ہے آستانِ حسینؑ

علامہ محمد اقبالؒ

۱۸۷۷ء۔۔۔۔۱۹۳۸ء

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے واردات

کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات!

ذکرِ عرب کے سوز میں فکرِ عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات

قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!

عقل و دل ونگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات!

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

مرزا یگانہ

۱۸۸۴ء۔۔۔۱۹۵۶ء

دل میں اپنی جگہ خدا اپنا
ہم غریبوں کا آسرا کیا ہے
ڈوب کر پار اتر گیا اسلام
آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے

بقدرِ حوصلہ ملتی ہے دادِ عشق و ہوس
مزاج عشق میں کیا اعتدال ہوتا ہے
بڑھکتی جاتی ہے شوقِ فنا میں شمع کی لَو
نسیمِ صبح سے اور اشتعال ہوتا ہے

آغوش میں اب ان کو کاہی کھینچتی ہے دنیا
بیگانگی نے جن کو اپنا بنا لیا ہے
منزل کی فکر کیوں ہو جب تو ہو اور میں ہوں
پیچھے نہ پھر کے دیکھوں کعبہ بھی ہو تو کیا ہے

مصطفیٰ زیدی

۱۹۳۰ء ---- ۱۹۷۰ء

بعد امام لشکر تشنہ دہاں ! جو کچھ ہوا
کس سے کہوں، کیسے کہوں، اے کربلا، اے کربلا
کیسے رقم ہو بے کسی بے حرمتی کی داستاں
اک کنبہ ، عالی نسب کی دن بدن رسوائیاں
اک مشک جس کو کر گئی سیراب تیروں کی زباں
اک سبز پرچم جھک گیا جو خاک وخوں کے درمیاں
اک آہ جو سینے سے نکلی اور فضا میں کھو گئی
اک روشنی جو دن کی ڈھلتی ساعتوں میں سو گئی
وہ دو دمان حیدریؑ کی آل پیغمبرؐ کی لاش
وہ آیتوں کی گود میں سوئے ہوئے اکبرؑ کی لاش
وہ اک بریدہ بازوؤں والے علم پرورؑ کی لاش
وہ دودھ پیتے ، لوریاں سنتے، علی اصغرؑ کی لاش
معصوم بچے وحشیوں کی جھڑکیاں کھائے ہوئے
عونؑ و محمدؑ چھوٹے چھوٹے ہاتھ پھیلائے ہوئے

سجادؑ سے زینبؑ کا یہ کہنا کہ مولا جاگیے
غفلت سے آنکھیں کھولیے، لُٹتا ہے کنبہ جاگیے
اٹھتے ہیں شعلے دیکھئے جلتا ہے خیمہ جاگیے
اے باقیِ ذریت یسٰینؑ و طٰہٰؑ جاگیے

سارے محافظ سو رہے ہیں اشقیاء بیدار ہیں
طوق و سلاسل، منتظر ہیں، بیڑیاں تیار ہیں
ناموس اہلِ بیت کی سر سے ردا بھی چھن گئی
جو سجدہ گاہِ قدسیاں تھی وہ قبا بھی چھن گئی

اُلٹی قناتوں میں رواں آتش یزیدی چاہ کی
لٹتی صفوں میں در بدر عترت رسول اللہ کی
جس ہاتھ سے تھپڑ پڑے وہ ہاتھ اک کردار تھا
عارض سکینہؑ کے نہ تھے تاریخ کا رخسار تھا

تردید کی تکرار میں حق کی صدا بڑھتی گئی
جبر و تشدد میں نوائے بے نوا بڑھتی گئی
جتنا شعارِ محتسب، دشوار تر ہوتا گیا
اتنا ہی ذکرِ خونِ نا حق، مشتہر ہوتا گیا

منیر نیازی

۲۰۰۶ء۔۔۔۔۱۹۲۸ء

خواب و جمالِ عشق کی تعبیر ہے حسینؑ
شامِ ملالِ عشق کی تصویر ہے حسینؑ

حیراں وہ بے یقینی، اہلِ جہاں سے ہے
دنیا کی بے وفائی سے دلگیر ہے حسینؑ

یہ زیست ایک دشت ہے لا حد و بے کنار
اس دشتِ غم پہ ابر کی تاثیر ہے حسینؑ

روشن ہے اس کے دم سے الم خانۂ جہاں
نورِ خدائے عصر کی تنویر ہے حسینؑ

ہے اس کا ذکر شہر کی مجلس میں رہنما
اجڑے نگر میں حسرتِ تعمیر ہے حسینؑ

مہندر سنگھ بیدی

۱۹۰۹ء۔۔۔۔۱۹۹۲ء

نغمہ پربط کو نین ہے فریادِ حسینؑ
جادۂ راہِ بقا ، ملک آزاد حسینؑ
شوخی لالہ رنگین ہے کہیں خوں شفق
کس قدر عام ہوئی سرخی روداد حسینؑ

زندہ اسلام کو کیا تُو نے
حق وباطل دکھا دیا تُو نے
جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تُو نے

بڑھائی دینِ محمدؐ کی آبرو تُو نے
جہاں میں ہو کے دکھایا ہے سرخرو تُو نے
چھڑک کے خون شہیدوں کا لالہ وگل پر
عطا کیے ہیں زمانے کو رنگ وبُو تُو نے

لب پہ جب شاہِ شہیداں ترا نام آتا ہے
ساقی بادۂ عرفاں لیے جام آتا ہے
مجھ کو بھی اپنی غلامی کا شرف دے دیجے
کھوٹا سکہ بھی تو آقا کبھی کام آتا ہے

میر عثمان علی خان

۱۸۸۶ء۔۔۔۔۱۹۶۷ء

یہ کرنا عرض اے بادِ صبا سبطِ پیمبرؑ سے
کہ غم میں آپ کے دریا رواں ہے دیدۂ تر سے
کہو اشک و فغاں سے ذکر ہوتا ہے شہیدوں کا
گرجنا ہو جسے گرجے برسنا ہو جسے برسے
خدا کی شان یک قطرہ نہ پہنچا حلق تک شہؑ کے
مگر ہے تیغ کا پانی کہ اونچا ہو گیا سر سے
جو دل کے سخت ہیں وہ بھی غمِ سرور میں گریاں ہیں
عجب تاثیر ہے پانی نکل آتا ہے پتھر سے
مے حبِ علیؑ میں رات دن ہم مست رہتے ہیں
نہ خم سے ہے غرض ہم کو نہ شیشے سے نہ ساغر سے
قیامت ہو گی برپا اور میدانِ قیامت میں
اٹھیں گے ہم جو آنسو پونچھتے دامانِ محشر سے
وہ ہیں اشکِ عزا اپنے بدولت جن کی اے عثمان
چکھایا ساقیٔ کوثر نے ہم کو جامِ کوثر سے

میر تقی میر

۱۷۲۳ء۔۔۔۔۱۸۱۰ء

بصانعے تھے کہ یہ نقاشیاں ہیں سب اس کی
زمیں ہو یا ہو فلک یا حجر ہوں یا اشجار

یا حمدے کہ نبوت ہوئی ہے اس پر ختم
بفاطمہ ؓ کہ وہ ہے بنتِ سیدِ مختارؐ

بمرتضےٰ ؓ کہ ولایت مسخر ان نے کی
بہادری ہے غلاموں کی جس کے فن و شمار

باک امام کہ کشتہ ہے زہر قاتل کا
گرے ہیں لختِ دل اس کے زمیں پر کٹ کے ہزار

بآن شہید کہ تشنہ لب و شکستہ دل
موا ہے دشتِ بلا میں ہیں اب تلک آثار

کہ جب ہلال محرم نمود ہوتا ہے
جہاں میں کرتے قیامت ہیں اس کے ماتمدار

یہ آرزو ہے مرے دل میں مدتوں سے شہا
رہے نہ بعد مرے ہند میں یہ مشتِ غبار

اڑا دے اس کو صبا یا تلک کہ لے پہونچے
تجھ آستان کے آگے کہ ہے فلک کردار

رہے ہمیشہ ترے دوستوں کے ساتھ اقبال
عدو کو تیرے نہ دے فرصت ایک دم او یار

میر نفیس

۱۹۳۳ء ---۱۹۸۰ء

سلامی جمع ہیں سب گلعذار مجلس میں
بھری ہے خلدِ بریں کی بہار مجلس میں

غلام راکب دوش نبی مؤدت ہوں
نہیں کسی کو کسی سے غبار مجلس میں

وفورِ غم سے گریباں تار تار کرو
نگران اشکوں کو ٹوٹے نہ تار مجلس میں

مژہ پہ اشک کے قطرے نہیں ہیں جلوہ نما
چمک رہے ہیں درِ آبدار مجلس میں

لیے ہیں نذر کو دریائے اشک اہلِ عزا
علیؑ کے لال کا ہے انتظار مجلس میں

نفیسؔ اب تو چہک مثلِ عندلیب چمن
سوا گلوں کے نہیں کوئی خار مجلس میں

محسن نقوی

۱۹۴۷ء۔۔۔۔۱۹۹۶ء

حسینؑ مصحفِ ناطق، خطیبِ نوکِ سناں!
کہاں سے لفظ تراشوں، میں کیا کلام کروں؟
نظر پڑے ترے نقشِ قدم کی خاک جہاں
وہیں پہ نصب میں ادراک کے خیام کروں!
جو رزقِ نطق عطا ہو ترے کرم سے مجھے
تو میں بھی آرزوئے جرأتِ سلام کروں!
نہ پوچھ اپنی سخاوت کے ایک پل کا اثر
جو بَن پڑے تو "زمانے" اسیرِ دام کروں!
ملے جو اذن تو دے کر تجھے خراج حیات
میں اپنی بخششِ پیہم کا اہتمام کروں!
جہاں پناہ! تری نذر کرکے لفظ اپنے
خمارِ اجر سے لبریز دل کا جام کروں!
قسیمِ کوثر و زمزم، غرورِ تشنہ لبی!
"فراتِ فکر" کی ہر موج تیرے نام کروں!!

نجم آفندی

۱۸۹۳ء۔۔۔۔۱۹۷۵ء

کیا سخت واردات تھی خنجر گلے پہ تھا
ہونٹوں پر حق کی بات تھی خنجر گلے پہ تھا

پھیلا رہا تھا نورِ صداقت جہان میں
تنظیم شش جہات تھی خنجر گلے پہ تھا

دولہا بھی ایک لمحہ کا مہماں تھا شام تک
سوئی ہوئی برأت تھی خنجر گلے پہ تھا

اک آن میں فضائے دو عالم بدل گئی
اک سانس کی حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

اندھیر ہو رہا تھا جہانِ خراب میں
کیا جانے دن تھا رات تھی خنجر گلے پہ تھا

سجدہ میں سر لبوں پہ دعائیں نظر میں شکر
دل میں خدا کی ذات تھی خنجر گلے پہ تھا

اصغرؑ کا داغ رخصتِ آخر نمازِ عصر
تکمیلِ واقعات تھی خنجر گلے پہ تھا

روحِ حسینؑ بارگاہِ بے نیاز میں
ممنونِ التفات تھی خنجر گلے پہ تھا

یُوں کوئی نہر پر نہ ہُوا ذبح تشنہ لب
دوگام پر فرات تھی خنجر گلے پہ تھا

دیکھا ہو بھائی کو جو تڑپتے تو کیا عجب
زینبؑ پسِ قنات تھی خنجر گلے پہ تھا

کس وقت ورثہ دارِ نبیؐ کو کیا شہید
جب ساعت صلوٰۃ تھی خنجر گلے پہ تھا

سویا علیؑ کا لال دوعالم کو جیت کر
مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

کیا جان دے کے بجھ گیا جانِ مرتضیٰؑ
جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

نظم طباطبائی

۱۹۳۳ء۔۔۔۔۱۸۵۴ء

چمکا خدا کا نُور عرب کے دیار میں
پھیلی شعاع ہند میں چین و تتار میں
پہنچا ستارہ اوج پہ دینِ حسینؑ کا
اب تک تھا گردشِ فلک کج مدار میں
چونکیں ذرا یہودو نصارا تو خواب میں
آئی نسیم صبح شبِ انتظار میں
وردِ زبانِ پاک صحیفہ ہے نُور کا
اترا تھا جو خلیلؑ پہ گلزارِ نار میں
ہے یاد دشت میں گہر افشانی کلیم
اور موعظ مسیحؑ کا وہ کوہسار میں
موسیٰؑ کی رات کی وہ مناجات طور پر
داوٗدؑ کا وظیفہ وہ صبحِ بہار میں
بُت ہو گیا ہے سنگِ سر بُت پرست پر
سرکہ بنی شراب کہیں بادہ خوار میں
وہ جام پی کے اٹھ گئے پردے نگاہ سے
دریائے علم و نُور کو پایا کنار میں

معظمہ نقوی

مناجات بحضورِ یزداں

اے مالکِ ارض وسماء
ہے تُو ہی سچا بادشاہ
ہے تجھ سے میری التجاء
کر دُور ہر رنج وبلا
تیرے سوا نہیں آسرا
تُو خالق ومولا میرا
مجھ پر کرم کر اے خدا
بصدقہ ءِ مشکل کشاؑ
تُو ہی حالتوں کا علیم ہے
تُو رحیم ہے تُو کریم ہے
پنجتن کے صدقے نکھار دے
مری روح کو تُو سنوار دے
مری نسل کو تُو اے خدا
دے موّدتِ کربِ وبلا
نقوؔی کو ایسے قرار دے
اسے عشق حیدرِ کرارؑ دے
مجھے عشق حیدرِ کرارؑ دے

معظمہ نقوی

بھنور لہو کا

مولا حسینؑ گنبدِ شب میں صدائے صبح
مولا حسینؑ عالمِ امکاں کی آبرو
مولا حسینؑ پیکرِ تفسیرِ لا اِلہٰ
مولا حسینؑ قاری و قرآن کی آبرو
مولا حسینؑ محسنِ تاریخِ ہست و بود
مولا حسینؑ بندہ و یزداں کی آبرو
مولا حسینؑ تورِ چراغ ابکر نما
مولا حسینؑ حرف سرِ ابتداء بھی ہے
مولا حسینؑ حشر میں مظلوم کی فغاں
مولا حسینؑ کوفہ میں اک بے نوا بھی ہے
مولا حسینؑ سر بہ سنانِ یزیدیاں
مولا حسینؑ کنگرۂ عرشِ کبریا
مولا حسینؑ عظمت تاریخِ آدمی
مولا حسینؑ عظمتِ علیاً وَلی اللہ
مولا حسینؑ شاہِ شہیدانِ کربلا

ذکرِ شبیرؓ و بیانِ کربلا (فارسی)

ای ! امیرِ کاروانِ کربلا
رہنمائی رہروانِ کربلا
ای وقارِ دُودمانِ کربلا
ای بہارِ گلستانِ کربلا
راز دانِ داستانِ کربلا
کامرانِ امتحانِ کربلا
عزّ و شانِ خاندانِ کربلا
ترجمانِ بے کسانِ کربلا
اے حسینؓ ! آفاقِ می گوید تمام
از تُو قائم ہست ، شانِ کربلا
قصہّ حق گوئی تُو در جہاں
ہست پیہم برَ زبانِ کربلا
می دہد درسِ حیاتِ جاوداں
رحلتِ جاں دادگانِ کربلا
ہر دو ہسند اے جلالِ ، احیائے حق
ذکرِ شبیرؓ و بیانِ کربلا

پروفیسر ڈاکٹر سید قاسم جلال
بہاول پور

معظمہ نقوی کی ادبی خدمات

خانوادہ سادات کی میدان شعروادب سے وابستہ افسانہ نگار، کالم نگار، اور محقق خاتون معظمہ نقوی نے اوائل عمری میں شاعری کا آغاز کیا ان کے ادبی کالم روزنامہ ''پاکستان'' ملتان ، روزنامہ ''سچ ٹائمز'' ملتان اور دیگر ادبی رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوکر عوام وخواص سے خراج تحسین حاصل کرتے رہتے ہیں، ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ادبی مشاغل کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری کو بھی بطریق احسن ادا کر رہی ہیں، ان کا ایک سرائیکی اور ایک اردو مجموعہ کلام عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔

ادب کے مختلف شعبوں سے ان کی وابستگی اور دلچسپی نے انہیں ایک ہمہ رنگ اور ہمہ پہلو شخصیت بنا دیا ہے۔خداوندکریم سے اتنی کثیر صلاحیتیں پانے والے بہت کم ہیں ایسی شخصیات کا وجود گلشن ادب میں نئی بہاروں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔محترمہ معظمہ نقوی کی پیش نظر کتاب ''مودت نامہ'' سلاموں اور منقبتوں کا مجموعہ ہے اس میں تقریباً سو کے لگ بھگ عقیدت پارے اپنے دل نشین اور دل نواز اسلوب کے ساتھ معجز نمائیاں کر رہے ہیں قدیم وجدید شعراء کے شہ کار کلام کا یہ خوبصورت انتخاب یقیناً اہلِ دل اہل نظر اور اہل سخن کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ''مودت نامہ'' پیاسی روحوں اور بے چین دلوں کے لیے آب حیات کا درجہ رکھتا ہے میری دعا ہے کہ عزیزہ معظمہ نقوی نے اس مجموعہ کی ترتیب وتدوین کے لیے جو شبانہ روز کاوش کی ہے بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل کرے اور موصوفہ کو دنیا وآخرت کی کامرانیاں عطاء ہوں۔آمین

پروفیسر ڈاکٹر سید قاسم جلال
بہاول پور